تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۲۵ | ۱۰ جنوری ۱۹۸۸ء مطابق ۱۹ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ | شمارہ ۵

نگران اعلیٰ

مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی

محمود الازہار ندوی

خط وکتابت کا پتہ

نیجر تعمیر حیات، پوسٹ بکس ۹۳

ندوۃ العلماء، لکھنؤ

انڈیا

زر تعاون

سالانہ : پینتیس ۳۵ روپے

ششماہی : پچیس ۲۵ روپے

فی پرچہ : ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک : ۲۰ ڈالر

افریقی ممالک : ۲۰ ڈالر

یورپ وامریکہ : ۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

◯

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ دینی وادبی کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

حکمت و دور اندیشی

شمس الحق ندوی

دین وملت کی خدمت، حفاظت وپاسبانی کا تعلق محض جسمانی حرکت اور زبانی تقریر وخطابت سے ممکن نہیں، یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے۔ جسم کی ہر حرکت اور زبان کی ہر جنبش اسی وقت مفید ومؤثر ہوتی ہے جب اس میں خلوص پایا جاتا ہو (یعنی مقصود رضائے خداوندی ہو) خلوص نہ ہو تو اچھی سے اچھی تحریر وتقریر کی حیثیت کاغذی پھولوں سے زیادہ نہیں رہ جاتی، وقتی طور پر کچھ ظاہری اثر محسوس ہو یہ تو ممکن ہے لیکن اس سے کوئی تبدیلی آئے، زندگیوں میں انقلاب آئے، دل بدل جائیں یہ ممکن نہیں، یہ حقیقت ہے (قبول حق کے بارے میں) اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مگر ایک اور بات جو نہایت اہم وضروری ہے اس کو بہت کم کہا جاتا ہے، وہ ہے خلوص کے ساتھ موقع شناسی حکمت وبصیرت، نفع ونقصان کا موازنہ اور صحیح سوجھ بوجھ۔ حدیث شریف کے الفاظ: افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائر (ظالم بادشاہ سے حق بات کہنا سب سے افضل جہاد ہے)۔ لوگ عام طور پر دہراتے رہتے ہیں لیکن کلمۂ حق کہنے کا انداز کیا ہونا چاہیئے، جس سے یہ بات کہنی ہے اس کو متاثر کرنے کے لیے پہلے اس کے ذہن کو کس طرح ہموار کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، اس کی فکر کم ہی لوگ کرتے ہیں۔ بس کلمۂ حق کہہ دینا ہی جہاد اکبر تصور کرتے ہیں اور اپنی اس حق گوئی پر قانع ومطمئن ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حق گوئی کا یہ طریقہ بسا اوقات مخاطب کو حق سے اور دور کر دیتا ہے بلکہ اس میں ضد پیدا کر دیتا ہے اکثر اس طرز کلام سے نفع کے بجائے نقصان پہنچتا ہے۔

دین اسلام کسی ذہن انسانی کی ایجاد نہیں بلکہ خالق کون ومکان، خالق انس وجن کا دیا ہوا وہ دستور حیات ہے جس میں باطل کا گذر نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نرمی، رحمت ورأفت اور پیار ومحبت کے اسلوب وانداز میں اس دین کو پیش کرنے کی ہدایت فرمائی۔ حکمت، نصیحت کے اچھے انداز اور بحث ومباحثہ کی نوبت آئے تو بہتر وشریفانہ طریقہ پر بحث کی تلقین فرمائی، فرمایا: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے، اور اگر بحث آن پڑے تو، ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجیے)۔

حضرت موسیٰؑ وہارونؑ کو فرعون کے پاس بھیجا تو باوجودیکہ وہ خدائی کا دعوے دار تھا تاہم اس کو دعوت پیش کرنے میں نرم ومیٹھا ہی انداز اپنانے کی ہدایت کی گئی۔ فرمایا: اِذْھَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی فَقُوْلَا لَہٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّہٗ یَتَذَکَّرُ اَوْ یَخْشٰی (دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے)

ظالم وجابر بلکہ خدائی کے دعوے دار سے بھی نرم لہجہ میں بات کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ زیادہ تفصیل میں جائے بغیر ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ یہ خیال کر حق بات حق ہے اس کو جس انداز سے چاہیں کہیں، درست وبرحق ہے۔ صحیح ومفید طرز فکر نہیں۔ موقع ومحل، نفع ونقصان کا اندازہ لگانا ضروری ہے، ورنہ یہ عین ممکن ہے کہ ہم ایک کام ملت کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کریں لیکن ملت کو فائدہ سے کہیں زیادہ نقصان پہنچ جائے۔ محض ہمارا مخلص وبے لوث ہونا اس نقصان سے نہ بچا سکے گا کہ ہم نے بصیرت ودور اندیشی اور حکمت وموقع شناسی سے کام نہیں لیا۔

اخلاص کے لیے ذراست مومنانہ، بصیرت وموقع شناسی کی پاسبانی کا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ہم اپنے اخلاص کے زعم میں کبھی ایسا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں جس سے ملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے، ایک خطرے سے بچنے کے لیے ہم کوئی ایسا غیر دانشمندانہ قدم اٹھا دیں جو ملت کے لیے دوسرے بہت سے خطرات پیدا کر دے یا خطرات کو طاقت پہنچا دے بہت سے قائدین، داعیوں اور ملت کے بہی خواہوں کے اخلاص میں ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کے طریقۂ دعوت یا دین کی حفاظت ودفاع کی غرض سے کسی فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے ایسا طریقۂ کار اپنانے پر حیرت ہوتی ہے جس

بچوں کی گھریلو تربیت کا اہتمام کیجیے

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

اس وقت ہمارا اسلامی معاشرہ باہر کی ہواؤں سے جتنا متاثر ہے اتنا شاید کبھی نہ تھا اس سے محفوظ رہنے کے لیے بچوں کی گھریلو تربیت کرنی چاہیے کہ اسی پر اسلامی فکر کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ ہم سادی وآسان زبان میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ہدایات ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں

خدا تعالیٰ جب اولاد دے اور وہ سیانی ہونے لگے تو سب سے اول اس کو کلمہ توحید سکھلا دے، پھر اس کو ضروری آداب کی تعلیم کرے۔

جب سامنے آئے سلام کرے،

کسی کے پاس کوئی چیز دیکھے تو حرص نہ کرے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی وسعت وحیثیت کے موافق اس کی مرغوب وپسندیدہ چیزیں خود منگا کر کھلاتا پلاتا رہے، اور جب وہ ضد کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے، تاکہ ضد کرنے کی عادت چھوٹ جائے،

اس کو یہ عادت ڈالے کہ کوئی چیز تنہا نہ کھائے، بلکہ دوسرے میں تقسیم کرکے کھائے، اور اس کے لیے یہ رعایت رکھنا ضروری ہے کہ جو چیز اس کو دے خواہ نقد یا غیر نقد اس کی ملک نہ کرے، کیوں کہ ملک ہو جانے کے بعد نابالغ کو تبرع کرنا جائز نہیں بلکہ اباحت کے طور پر دے، تاکہ دوسروں کو دینا اور ان دوسروں کو لینا جائز ہو،

جھوٹ بولنے سے اس کو نفرت دلائے، پردہ اور حیا کی اسکو تعلیم کرے۔

اس کو یہ عادت ڈالے کہ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا اقرار کر لیا کرے اور اگر وہ غلطی متعدی ہو تو صاحب حق سے معاف کرا لیا کرے، اس کی عادت ڈالنا سخت ضروری ہے کہ اس میں اس کے دین کی سلامتی اور دنیا میں موجب عزت وراحت ہے، اور اس میں پس وپیش کرنا تکبر اور ہمیشہ کے لیے موجب نفرت وذلت ہے۔

اس کی بھی عادت ڈالے کہ سخن پروری کبھی نہ کرے، حق واضح ہو جانے کے بعد گو اپنے سے کم درجہ کا آدمی اس پر مطلع کرے فوراً اس کا اتباع کرے، اور ہر امر میں اس کو تواضع اور خاکساری کی عادت ڈالے۔

لڑکوں اور لڑکیوں کو ایک جگہ کھیلنے دے، اگر وہ نامحرم ہیں تو آئندہ کے مفاسد کا اس میں اندیشہ ہے، اور اگر وہ محرم ہیں تو لڑکیوں میں قلت حیا پیدا ہونے کا اور لڑکوں میں نقصان عقل کا احتمال ہے۔

اس کی عادت ڈالے کہ وہ چھپ کر کوئی کام نہ کریں جب کہ بچہ وہی کام کرے گا جس کو برا سمجھے گا، تو گویا ابتدا ہی سے وہ برا کام کرنے کا خوگر (عادی) ہو جائے گا۔

خود بھی بچوں کے سامنے کوئی نامناسب کام یا بے حیائی کا کام نہ کرے، گو بچہ اتنا چھوٹا ہو کہ بول بھی نہ سکتا ہو، کیونکہ اس فعل کا عکس اس کے دماغ میں مرتسم ومنقوش (یعنی نقش) ہو جاتا ہے، پھر اس کا اثر بڑے ہو جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔

ہنسی، دل لگی کی عادت اس میں نہ پیدا ہونے دے کہ اس سے مادہ بے باکی کا پیدا ہوگا، کیونکہ محل بے محل کی بچہ کو تمیز نہیں ہوگی۔

اس کا اہتمام رکھیں کہ سیانے بچوں میں دوستی نہ پیدا ہونے پائے کہ اس کے مفاسد بے شمار ہیں، اور اگر ان کو باہم کھیلنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس کھیل کے وقت خود حاضر رہیں، بعد میں اختلاط (میل جول) نہ ہونے دے،

سیانے لڑکوں کو علما محققین اور مشائخ محققین کی مجالس میں اپنے ساتھ لے جایا کرے، کہ ان حضرات کی صحبت وتوجہ موجب برکات وتقویت علی الدین والطاعات ہے۔

جب بچہ سیانا ہو جائے اس کو نماز کی سورتیں اور دعائیں زبانی یاد کرائے اور نماز پڑھائے، اور لڑکی ہو تو اس کو پردہ میں بٹھلائے اور جب پڑھنے کا متحمل ہو تو اس کو کسی ایسے مکتب میں جس کا معلم شفیق اور دیندار ہو بٹھلا دے اور لڑکی ہو تو زنانہ مکتب میں بٹھلا دے، مگر آجکل جو زنانہ اسکول ایجاد ہوتے ہیں ان کی آب وہوا اچھی نہیں ان سے بچائے۔

سب سے اول قرآن شریف پڑھوائے، اگر دماغ متحمل ہو تو حفظ کرانا افضل ہے، ورنہ ناظرہ ہی سہی مگر صحیح خواں (صحیح پڑھانے والے) سے پڑھوائے،

جاننا چاہیے کہ یہ امر بہت ہی خیال رکھنے کے قابل ہے، کیونکہ بچپن میں جو عادت بھلی یا بری پختہ ہو جاتی ہے، وہ عمر بھر نہیں جاتی، اس لیے بچپن سے جوان ہونے تک ان باتوں کا ترتیب وار ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) نیک بخت ودیندار عورت کا دودھ پلائیں، دودھ کا بڑا اثر ہوتا ہے،

(۲) عورتوں کی عادت ہے کہ بچوں کو کہیں سپاہی سے ڈراتی ہیں، کہیں اور ڈراؤنی چیزوں سے، یہ بری بات ہے، اس سے بچہ کا دل بے حد کمزور ہو جاتا ہے،

(۳) اس کے دودھ پلانے کے لیے اور کھلانے کے لیے وقت مقرر رکھو کہ وہ تندرست رہے،

(۴) اس کو صاف ستھرا رکھو کہ اس سے تندرستی رہتی ہے۔

(۵) اس کا بہت بناؤ سنگار مت کرو

(۶) اگر لڑکا ہو، اس کے سر پر بال مت بڑھاؤ۔

(۷) اگر لڑکی ہے اس کو جب تک پردہ کے لائق نہ ہو جائے، زیور مت پہناؤ، اس سے ایک تو ان کی جان کا خطرہ ہے، دوسرے بچپن ہی سے زیور کا شوق دل میں پیدا کرنا اچھا نہیں،

(۸) بچوں کے ہاتھ سے غریبوں کو کھانا کپڑا، پیسے اور ایسی چیزیں دلوایا کرو، اسی طرح کھانے پینے کی چیزیں ان کے بھائی بہنوں کو یا اور بچوں کو تقسیم کرایا کرو، تاکہ ان کو سخاوت کی عادت ہو، مگر یہ یاد رکھو کہ تم اپنی چیزیں ان کے ہاتھ دلوایا کرو، خود جو چیز شرع سے انہی کی ہو اس کا دلوانا کسی کو درست نہیں۔

(۹) زیادہ کھانے والوں کی برائی اس کے سامنے کیا کرو، مگر کسی کا نام لے کر نہیں، بلکہ اس طرح کہ جو کوئی بہت کھاتا ہے لوگ اس کو حبشی کہتے ہیں، اس کو بیل جانتے ہیں۔

(۱۰) اگر لڑکا ہو، سفید کپڑے کی رغبت اس کے دل میں پیدا کرو، اور رنگین اور تکلف کے لباس سے اس کو نفرت دلاؤ کہ ایسے کپڑے لڑکیاں پہنتی ہیں، تم ماشاء اللہ مرد ہو، ہمیشہ اس کے سامنے ایسی باتیں کیا کرو۔

(۱۱) اگر لڑکی ہے جب بھی زیادہ مانگ چوٹی بہت تکلف کے کپڑوں کی اس کی عادت مت ڈالو۔

(۱۲) اس کی سب ضدیں پوری مت کرو کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے۔

(۱۳) چلا کر بولنے سے روکو، خاص کر اگر لڑکی ہو تو چلانے پر خوب ڈانٹو، ورنہ بڑی ہو کر وہی عادت ہو جائے گی،

(۱۴) جن بچوں کی عادتیں خراب ہیں، یا پڑھنے لکھنے سے بھاگتے ہیں، یا تکلف کے کپڑے یا کھانے کے عادی ہیں، ان کے پاس بیٹھنے سے، ان کے ساتھ کھیلنے سے ان کو بچاؤ۔

(۱۵) ان باتوں سے ان کو نفرت دلاتی رہو، غصہ، جھوٹ بولنا، کسی کو دیکھ کر جلنا، یا حرص کرنا، چوری، چغلی، اپنی بات کی پچ کرنا خواہ مخواہ اس کو بنانا، بے فائدہ بہت باتیں کرنا، بے بات ہنسنا، یا زیادہ ہنسنا، دھوکہ دینا، بھلی بری بات کا نہ سوچنا، اور جب ان باتوں میں سے کوئی بات ہو جائے فوراً اس کو روکو، اس پر متنبہ کرو۔

(۱۶) اگر کوئی چیز توڑ پھوڑ دے یا کسی کو مار بیٹھے، مناسب سزا دو، تاکہ پھر ایسا نہ کرے، ایسی باتوں میں پیار دلار ہمیشہ بچوں کو کھو دیتا ہے۔

(۱۷) بہت سویرے مت سونے دو

(۱۸) سویرے جاگنے کی عادت ڈالو۔

(۱۹) جب سات برس کی عمر ہو جائے، نماز کی عادت ڈالو۔

(۲۰) جب مکتب میں جانے کے قابل ہو جائے، اول قرآن مجید پڑھواؤ

(۲۱) مکتب میں جانے میں کبھی رعایت مت کرو۔

(۲۲) جہاں تک ہو سکے دیندار استاد سے پڑھواؤ۔

(۲۳) کسی کسی وقت ان کو نیک لوگوں کی حکایتیں سنایا کرو۔

(۲۴) ان کو ایسی کتابیں مت دو جن میں عاشقی معشوقی کی باتیں یا شرع کے خلاف مضمون یا اور بے ہودہ قصے یا غزلیں وغیرہ ہوں۔

(۲۵) ایسی کتابیں پڑھواؤ جس میں دین کی باتیں اور دنیا کی ضروری کارروائی آ جائے۔

(۲۶) مکتب سے آنے کے بعد کسی قدر دل بہلانے کے لیے اس کو کھیلنے کی اجازت دو، تاکہ اس کی طبیعت کند نہ ہو جائے، لیکن کھیل ایسا ہو جس میں کوئی گناہ نہ ہو، چوٹ لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔

(۲۷) آتشبازی یا باجہ یا فضول چیزیں مول لینے کے لیے پیسے مت دو۔

(۲۸) کھیل تماشے دکھلانے کی عادت مت ڈالو۔

(۲۹) اولاد کو ضرور ایسا کوئی ہنر سکھلا دو جس سے ضرورت اور مصیبت کے وقت چار پیسے حاصل کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا گزارہ کر سکے۔

(۳۰) لڑکیوں کو اتنا لکھنا سکھلا دو کہ ضروری خط اور گھر کا حساب کتاب لکھ سکیں۔

(۳۱) بچوں کو عادت ڈالو کہ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا کریں، اپاہج اور سست نہ ہو جائیں

بقیہ صفحہ ۶ پر

اس فتنہ کا دروازہ بند ہونا تو مشکوک لیکن فتنوں کے دوسرے بہت سے دروازے کھل جانے کا قوی بلکہ یقینی امکان ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، زندگی کے ہر شعبہ و مرحلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

ہمیں اپنے اخلاص کے زعم میں حکمت و دور اندیشی، بصیرت و موقع شناسی کی طرف سے صرف نظر نہ کرنا چاہیے کہ یہ دین کی روح کے خلاف ہے۔ سیرت نبوی میں اس کے بہت سے نمونے ملتے ہیں۔

یہ بہت معروف اور عام بات ہے کہ عہد رسالت میں مسلمانوں کی جماعت میں منافقین کی ایک بڑی تعداد تھی جو مسلمانوں کی صفوں میں رہ کر طرح طرح کی ریشہ دوانیاں کرتی رہتی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اچھی طرح باخبر تھے لیکن حکمت ومصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے ساتھ کوئی بڑی تنبیہی کارروائی نہ کی جائے جس سے غیر مسلموں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ یہ نبی تو اپنے ہی لوگوں کو مار دیا کرتے ہیں۔

یہاں عبداللہ بن اُبی کا واقعہ قابل ذکر ہے جو مار آستین بنکر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتا تھا، غزوۂ خندق میں کامیابی اور بنو قریظہ کا خاتمہ کر دینے کے بعد عبداللہ بن اُبی اس فکر میں تھا کہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرے ایک مرتبہ مسلمان مقام مریسیع کے پانی سے اپنے ڈول بھر رہے تھے کہ سنان اور جہجاہ نامی دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو گیا سنان نے جہجاہ کو ایسا مارا کہ خون نکل آیا، جہجاہ نے بھاگ کر قریش وکنانہ کی دہائی دی۔ اوس وخزرج کے لوگ بھی آ گئے اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ مسلمان آپس ہی میں لڑ جائیں لیکن ایک شخص نے سمجھا بجھا کر معاملہ کو رفع دفع کیا۔

عبداللہ بن اُبی دس منافقین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، وہ غصہ سے بھڑک اٹھا اور بڑی اشتعال انگیز باتیں کہیں یہاں تک کہہ دیا کہ مدینہ پہنچ کر ہم ان کو ذلیل کر کے نکالیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے لوگوں کا غصہ ہلکا کرنے کے لیے نرم انداز گفتگو اپنایا مجلس میں حضرت عمرؓ بھی حاضر تھے۔ فرمایا اللہ کے رسول آپ عباد بن بشر کو حکم دیں کہ عبداللہ بن اُبی کو قتل کر دیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں اس انتشار و فتنہ کا نقشہ آ گیا جو عبداللہ بن اُبی کے قتل سے پیدا ہوتا اور لوگوں کو سازشوں کا مزید موقع ملتا۔ آپ نے فرمایا، نہیں، پھر تو لوگ یہ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ آپ نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ فوراً کوچ کا حکم دیا کہ لوگوں کا ذہن دوسری طرف مشغول ہو جائے اور برابر چلتے رہے یہاں تک کہ لوگ تھک کر چور ہو گئے۔ اور غیظ وغضب سب بھول گئے۔[1]

یہ تھی حکمت نبوت جس میں ہمارے لیے درس ہے کہ موقع و محل کو دیکھ کر سوجھ بوجھ سے کام لے کر کوئی اقدام کریں مسلمانوں کی صفوں میں گھس کر منافقین کی ریشہ دوانی کتنی خطرناک تھی لیکن ان کے خلاف اقدام سے دوسرے اور بڑے خطرات پیدا ہو سکتے تھے اور اسلام و مسلمانوں پر الزام تراشی اور اسلام کی طرف سے بے اعتمادی پیدا کرنے کا ایک نیا دروازہ کھل سکتا تھا لہٰذا آپ نے عبداللہ بن ابی کے قتل کی اجازت نہیں دی۔

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں یہ دور بہت نازک اور اسلام و مسلمانوں کے لیے نہایت پر فریب مکاریوں کا دور ہے اس نازک دور میں ہمارے علماء، داعیوں اور قائدین ملت کو نہایت تیقظ، حکمت و دور اندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہے

اسلام کے خلاف کسی بھی تحریک وخطرہ کو محسوس کر کے اس کے خلاف جوش وجذبہ کا پیدا ہونا غیرت ایمانی کے عین مطابق ہے لیکن چاروں طرف سے آنکھ بند کر کے اس جوش وجذبہ کے تقاضا پر عمل کرنا دوسرے بہت سے خطروں سے زیادہ خطرناک ہو سکتا ہے۔ بہت مشہور مثل ہے "دانا دشمن بہتر از نادان دوست" بعض وقت ایک خاص دائرہ فکر کے خول میں بند مخلص کا ناعاقبت اندیشانہ اقدام وہ نقصان پہنچا سکتا ہے جو کسی بڑے اور قوی دشمن سے بھی نہیں پہنچ سکتا، اس وقت اسلام و مسلمانوں اور عالم اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے کس ذہانت سے کام لیا جا رہا ہے اس کو سمجھنے کے لیے بڑی باخبری، ذہانت، اور موجودہ دنیا کے سیاسی نقشہ پر گہری نظر رکھنے اور اس کا جائزہ لیتے رہنے کی ضرورت ہے اسلام کو نقصان پہنچانے والے تو نہایت باریک جال تیار کرتے ہیں کہ خورد بین سے بھی نظر آنا مشکل اور اسلام کے محافظ، داعیوں اور قائدین کا یہ حال ہے کہ ذہن میں کوئی نقشہ آیا نہیں کہ اس کا ڈنکا بجانا شروع ہو گیا جس کا سب سے پہلا نقصان تو یہ ہوتا ہے کہ دشمنان اسلام ہوشیار ہو جاتے ہیں اور اسلام کے خلاف سازشوں کا نیا انداز اپنا لیتے ہیں کہ ذہن ادھر جلد منتقل نہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنے مخالف کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو فرماتے تھے۔ ادب وثقافت سے بات کرتے تھے اس کی صلاحیتوں کی قدر دانی کرتے ہوئے گفتگو فرماتے کہ مخالف کو متاثر کرنے کا یہی کامیاب طریقہ ہے۔

مگر ہمارے بہت سے داعیوں اور قائدین کا حال یہ ہے کہ مخالف سے اس طرح مخاطب ہوتے ہیں کہ اس کی مخالفت کی آگ اور بھڑک جائے اور خود مسلمان بھی مشتعل ہو کر اعتدال و توازن کا راستہ چھوڑ دیں اور انجام کار مضرت رساں ثابت ہو۔

مزید تفصیل میں جائے بغیر ہم صرف یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

[1] امتاع الاسماع للمقریزی ج ۱

میں ان پر مر مٹا تب گلشنِ دل میں بہار آئی !

بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی

کسی نے جب کرم سے اک نگاہِ خاص فرمائی
مرے اجڑے ہوئے دل میں بہار جاں فزا آئی

نہ پائیں گے کبھی اہلِ جنوں کی شان یکتائی
کریں اہل خرد تا عمر چاہے خامہ فرسائی

سوا ان کے نہ اب دل میں ہے کوئی اور نہ آنکھوں میں
بحمد اللہ محبت نے عجب تاثیر دکھلائی

میں اس پر جان و دل سب کچھ کروں قرباں کیوں آخر
کرم سے جس کے دردِ لادوا کی بھی دوا پائی !

سنیں یہ بات میری گوشِ دل سے جو میں کہتا ہوں
میں ان پر مر مٹا تب گلشنِ دل میں بہار آئی !

ہوا جو بھی اسیرِ دامِ الفت دوستو اس کو
کوئی کہتا ہے دیوانہ، کوئی کہتا ہے سودائی

جو ہے ہر حال میں راضی فدا ہے ان کی مرضی پر
بڑا خوش بخت ہے بخشی گئی ہے اس کو دانائی

نہ ہو کیوں ناز آخر اس کو اپنی خوش نصیبی پر !
جو ان پر دل سے قرباں ہے جو ان کا دل سے شیدائی

جو مُردے تھے انھیں بخشی حیاتِ جاوداں تو نے
کوئی آکر ذرا دیکھے تری شانِ مسیحائی !

نہ کیوں وہ مست ہو کر روز و شب رقصاں رہے آخر
محبت کی بجا کرتی ہے جس کے دل میں شہنائی

جو ہیں اہلِ خرد، اس کو بھلا کیا خاک سمجھیں گے؟
لیے ہے کیفِ جنت عشق میں عاشق کی رسوائی

ہوا محسوس جیسے مل گئی کونین کی دولت
مقدر سے ترے پہلو میں جب ہم نے جگہ پائی

سنا جس نے وہی سو جان سے حق پر ہوا قرباں
کوئی دیکھے تو آکر عاشقوں کی شانِ گویائی

عجب عالم ہوا اللہ اکبر اہلِ محفل کا
حدیثِ عشق کی احمدؔ نے جب بھی شرح فرمائی

براہِ کرم جواب طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں
نیز حوالۂ خریداری نمبر ضرور تحریر کریں۔
(منیجر)

اسلامی بیداری!
داعیوں اور حکومتوں کے فرائض

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی — ترجمہ: محمد امین

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مد ظلہ اپنے حالیہ دورے سے ہندوستان واپسی میں ایک دن کے لیے کویت بھی رکے، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کی اصلاحی انجمن "جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی" کے صدر شیخ عبداللہ العلی المطوع نے مولانا کو ایک دعوتی اور فکری مجلس میں مدعو کیا، اس دعوتی نشست میں مولانا سے جو سوالات کیے گئے انھیں ہفت روزہ "المجتمع" کویت نے شائع کیا تھا، ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے (۱) اسلامی بیداری کو کس طرح مستحکم کیا جا سکتا ہے؟ (۲) اس بیداری کو مفید اور نتیجہ خیز کیونکر بنایا جا سکتا ہے؟ (۳) اسلامی تحریکوں اور حکومتوں کے مابین تعلق کی کیا نوعیت ہونی چاہیے؟ مولانا مد ظلہ العالی نے ان سوالات کے مفصل جوابات دیے ہیں انھیں پیش کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں

س: ہمارے دور میں اسلامی بیداری اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ چکی ہے۔ ایسے وقت میں اس کے مسلسل نوجوانوں کو اسی انتہا کے کمال میں [illegible] ان کو صحیح رخ دینے اور ان میں طاقت و توانائی پیدا کرنے کے لیے [illegible] کیا ضروری ہے؟

ج: جہاں تک اسلامی بیداری کی قدر و قیمت کے اندازہ کرنے، اس کو صحیح سمت لے جانے، تقویت دینے اور بنیادی مقصد کی طرف [illegible] کا تعلق ہے تو میں اپنے ناقص تجربات کی روشنی میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس سلسلے میں سب سے پہلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ نوجوانوں کے دل و دماغ میں اولاً اسلام کی بقاء و دوام انسانیت کی رہنمائی، اور بنی نوع انسان کی قیادت کی اہلیت و صلاحیت پر اعتماد بحال کیا جائے، اور جیسا کہ مشاہدہ بتاتا ہے، یہ اعتماد مغربی تربیت کے اثر سے غیر معمولی حد تک مضمحل اور کمزور پڑ گیا ہے۔ چنانچہ مسلمان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ماضی میں اسلام اپنا رول ادا کر چکا ہے۔ لیکن اب اس ترقی یافتہ دور کا ساتھ دینے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ ہمارے بہت سے نوجوان جن کی نشو و نما مغربی تعلیم و تربیت کے زیر سایہ اور عصری دانشگاہوں کی چہار دیواری کے اندر ہوتی ہے، کہنے لگے ہیں کہ اسلام سے کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ بزعم خویش "جب یہ مذہب عصری [illegible] کامل پیش کرنے سے قاصر ہے تو اس سے بنی نوع انسان کی قیادت کی امید وابستہ رکھنا اضاعت وقت کے مرادف ہے۔ لہٰذا تین باتوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۱) سب سے پہلا قدم جو ہمیں اور خصوصیت کے ساتھ دینی داعیوں، مفکروں اور مصنفین کو اٹھانا چاہیے وہ یہ کہ نوجوانوں کے ذہنوں میں اس بات کا اعتماد بحال کیا جائے کہ اسلام ایک ابدی و دائمی مذہب ہی نہیں بلکہ اس کے اندر انسانیت اور انسانی سوسائٹی کو زوال وخودکشی سے نجات دلانے کی اہلیت و صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اس لیے کہ مغربی معاشرہ نہ صرف زوال کا شکار ہے بلکہ وہ خودکشی کی راہ پر گامزن ہے۔

(۲) کسی مخصوص و محدود علاقہ میں ایک ایسے مثالی معاشرہ کا وجود کہ جب بھی کوئی مشرف باسلام ہونا چاہے تو اسے متعین طور پر بتایا جائے کہ وہاں اسلامی معاشرہ قائم ہے تاکہ وہ اس کو اپنا آئیڈیل و نمونہ بنا سکے۔

(۳) علمی اسلامی تحریک کا وجود اور یہ صرف اسلامی معاشرہ کی نہیں بلکہ پوری انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس تحریک کے فقدان کی وجہ سے لوگوں کے ذہن و دماغ میں ایک انتشار برپا ہے جس کے نتیجے میں کوئی بھی دوسری بے ہنگم گمراہ کن دعوت تحریک ذہنوں میں جگہ بنا سکتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ جب ایک حساس مخلص اور سنجیدہ معاشرہ کا قیام عمل میں آجائے گا تو وہ اپنے کام کو اسلامی نہج پر ڈھال سکتا ہے اور علمی و سیاسی، سائنسی و تہذیبی میدان کا رخ کر سکتا ہے، اسلام میں تمام اصول و ضوابط اور قوانین فراہم ہیں۔ صرف متحد ہو کر علمی ہم آہنگی سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔ یعنی زمانے کی روشنی میں اسلامی واقعات و حوادث اور اسلامی روح کے مابین ہم آہنگی و تطبیق پیدا کرنے کے لیے بنیادی نصوص اور مواد موجود ہے۔ جو امور شریعت سے متعلق ہیں ان کی انجام دہی کے لیے تحقیقی و علمی کام کی ضرورت ہے، اس تحقیقاتی و علمی ادارے کا قیام کہیں بھی ہو سکتا ہے۔ میں جس چیز پر زور دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس کے قیام میں اخلاص و سنجیدگی کا ہونا ضروری ہے، نیز ایک ایسی اسلامی تحریک کا قیام بھی عمل میں آنا ضروری ہے جو مسلم و مخلص، صحیح شعور و ادراک، جانبازی، خطر پسندی اور مہم جوئی کی روح کی بھی حامل ہو۔ کسی ایسی تحریک کا فقدان جس میں صحیح فہم و شعور اور خطر پسندی و مہم جوئی کی صفت نہ ہو، ان مسلمانوں کے لیے خطرہ ہے جو خطر پسندی اور مہم جوئی کے پیاسے ہیں اس لیے کہ ان کی تسکین ان ہی چیزوں سے ہو سکتی ہے

مولانا نے اپنی بات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

یہ ضروری ہے کہ ہم اس سلسلے میں حقیقت پسندی کے ساتھ غور و فکر کریں۔ جہاں تک دینی مفاہیم کی تشریح اور اسلام کے سیاسی نظریہ کی تفصیل جاننے کا تعلق ہے تو جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ ایک تحقیقی و علمی ادارہ ہے [illegible] اس کے اندر اس میں کام کرنے کی صلاحیت رکھنے والوں کی [illegible] بھی [illegible] تعداد موجود ہے۔ ان کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] نظریات کو پیش کرنے اور ان کو زمانے سے ہم آہنگ کرنے کی خاطر [illegible] اسلامی [illegible] اسلامی تحقیقاتی اداروں کی تشکیل پر غور و فکر کرے اور یہ ممکن ہے۔

س: اسلامی تحریکیں اس دینی بیداری سے کیسے فائدہ اٹھا سکتی ہیں؟ اور اس کو نتیجہ خیز کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ تاکہ منزل مقصود مل سکے اور مثبت و تعمیری انداز میں اس کے بقا کی ضمانت بھی مل سکے۔

ج: ایک پیہم اور مسلسل اسلامی جد و جہد کا وجود ہی صالح اور پاکیزہ عناصر کو یکجا کر سکتا ہے یہی عمل جانبازی و خطر پسندی کی محرک ہوا کرتا ہے۔ اس کے اندر اس بات کی پوری صلاحیت ہوتی ہے کہ جن عناصر میں اس کے اصول و مبادی، مقاصد، اور قدیمی صلاحیت ہو انہیں اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اگر ان کے اندر دعوتی و تحریکی صلاحیت موجود ہو اور دوسروں کو اپنی دعوت سے روشناس کرانے کی اس کے اندر قدرت ہو۔

پوری اسلامی تاریخ میں تحریکوں کے متعلق یہی صحیح تجربہ ہے۔ اور جب ہم اپنی ساری فکری، دینی و عقلی توانائیوں کو سیاسی و علمی نظریات کی تشریح میں صرف کرنے لگیں گے تو ہم ان پاکیزہ عناصر اور عظیم الشان مخفی طاقتوں کو حاصل کرنے سے محروم رہ جائیں گے جی چاہتا ہے کہ کچھ مشاہدات آپ کے سامنے پیش کروں وہ یہ کہ ہماری گذشتہ معاشرتی زندگی میں گھریلو اور مقامی تربیت کا کافی دخل رہا ہے۔ گھر مسلمانوں کی پہلی تربیت گاہ ہوا کرتا تھا جہاں وہ اسلام کے متعلق پختہ اعتماد حاصل کرتا تھا جبکہ آجکل اس تربیت کا وجود سرے سے نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ موجودہ نسلیں گھریلو تربیت سے عاری اور دینی احکام پر اعتماد سے تہی دامن ہونے کی بنا پر آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تہذیب و تمدن کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔

لہٰذا ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے نوجوانوں کو ہر ممکن طریقے سے گھروں، مدرسوں اور جہاں بھی ممکن ہو وہاں ان کو شرور سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ کوشش ان کے حق میں نفع بخش ثابت ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کو درست سے روکیں کہ مغربی تہذیب کی تربیت سے نجات دلائیں ہماری دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اصلاح و تربیت کا کام مغرب میں بھی کریں جہاں سے یہ خرابیاں اور مفاسد آتے ہیں ان میں بہت سے نوجوان ایسے ہیں جو معاندانہ رویہ اختیار کرتے ہیں لیکن ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں جو اسلام کی صحیح حقیقت سے نابلد ہیں، لہٰذا ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کو اسلام سے واقفیت اور صحیح اسلامی اقدار سے روشناس کرائیں، اسلام اور اسلامی تحقیقوں کے متعلق ان کو جو غلط فہمی ہوتی ہے اس کا ازالہ کریں۔ اب جس طرح ہمیں مشرق میں کام کرنے کی ضرورت ہے ویسے ہی مغرب میں بھی اس کی ضرورت ہے اس لیے کہ ہماری ثقافت و افکار کا سرچشمہ مغرب ہی اس وقت بنا ہوا ہے۔ اور ہم خود اس سرچشمے سے مستفید اور اپنے بچوں کو بھی اس سے فیضیاب کرتے ہیں

اسلامی تحریکوں اور حکومتوں کے باہمی رویہ کی نوعیت:

س: اسلامی تحریکیں حکومتوں کی نیت کے متعلق کب تک شک وشبہ میں مبتلا رہیں گی؟ جس کے نتیجہ میں حکومتوں اور ان سے متعلق ہر شئے کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان سے دور رہنے کی کوشش کی جاتی ہے نیز ماضی میں اسلامی تحریکوں کا معاملہ یہی تھا اور سامراجی و صیہونی اسلام دشمن طاقتیں اس پیچیدگی کو مزید بڑھاوا دے رہی ہیں۔ آپ کے نزدیک اس دشواری کا کیا حل ہے؟ اسلامی تحریک کے نوجوانوں کی اس سلسلہ میں آپ کیا رہنمائی فرمائیں گے؟

ج: واقعہ یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری دونوں پر عائد ہوتی ہے یعنی دین کے داعی و مبلغین اور حکومتیں دونوں ہی اسکی ذمہ دار ہیں جہاں تک حکومت کے ذمہ داروں کا تعلق ہے تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ ہر اسلامی تحریک کے بارے میں غلط تصور رکھتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تحریکیں ان کے اقتدار کو نیست و نابود کر دیں گی حکومت کے لوگ اسلامی تحریکوں کے ذمہ داروں سے ملک کے لیے کسی قسم کی کوئی مدد حاصل کرنا پسند نہیں کرتے اس سلسلے میں ان پر اعتماد نہیں کرتے، لہٰذا یہ لوگ اپنے اقتدار کے تحفظ و بقا کے لیے اسلامی تحریکوں اور اسلامی نہج پر کام کرنے والوں کو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں اور ان کو ہر طرح سے ختم کرنے پر اپنی ساری صلاحیتیں صرف کر دیتے ہیں۔

ذمہ داری کے دوسرے جزء کا تعلق دینی کام کرنے والوں سے ہے وہ یہ کہ یہ حضرات ذمہ داران حکومت سے ٹکرانے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں، اور اگر اجازت ہو تو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ ارباب منصب کو ایمان کی دعوت پہنچائیں، دوسرے یہ کہ خود اہل ایمان اقتدار کی باگ ڈور براہ راست سنبھال لیں۔ بہت سے لوگ اہل ایمان کو منصب حکومت تک پہنچانے کو ترجیح دیتے ہیں، یعنی اپنے علاوہ کسی دوسرے پر اعتماد کیے بغیر براہ راست اقتدار سنبھالنا چاہتے ہیں، لیکن اس کے برعکس اہل اقتدار تک ایمان کی دعوت پہونچ جائے اور دین اسلام کے داعی بن جائیں اور اس کے لیے جد و جہد کریں۔ اس کے بارے میں بہت کم حضرات سوچتے ہیں۔

میں یہ عرض کروں گا کہ پہلی ذمہ داری ہمارے ان حکام پر عائد ہوتی ہے جو اسلام کو ایک مقابل دشمن کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ گویا کہ وہ ان کے اقتدار و تسلط اور حکومت کے لیے خطرہ ہے۔ یہ بات غلط ہے۔ ہونا یہ چاہیے کہ یہ حضرات اسلامی عقیدہ کے حاملین کے ساتھ صلح و آشتی کا برتاؤ کریں۔ تاکہ ملک اور اس کے باشندے سعادت و کامرانی سے ہمکنار ہوں۔

دوسری ذمہ داری ان داعیان دین پر عائد ہوتی ہے جو حکومت سے مقابلہ آرائی میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔ یعنی جو بلاوجہ و بلاضرورت حکومتوں کے خلاف محاذ آرائی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حکومتیں کافر ہیں وہ حضرات ان حکومتوں کے خلاف فتاویٰ صادر کرتے ہیں اور اسی طرح ان کے ساتھ متشددانہ معاملہ کرتے ہیں۔ اگر یہ حضرات حکمت و دانائی سے کام لیتے اور ایسے ہی ارباب حکومت ان پاکیزہ و توانا عناصر سے استفادہ کرتے تو بہتر ہوتا۔

——— ہم کو ان بلاوجہ کی معرکہ آرائیوں سے کنارہ کشی اختیار کرنی چاہیے کہ درحقیقت آجکل حکومتوں اور دشمنان اسلام کی جنگ نہیں ہے بلکہ حکومتوں اور عوام کے درمیان جنگ برپا ہے۔

بقیہ: مسلمانوں کی ملی تعمیر کا مسئلہ

چوتھا نقطہ یہ ہے کہ ہمارے دینی و اسلامی مدارس اپنے نصاب کی ترتیب میں اس کا خیال رکھیں کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں جن امور سے سابقہ پڑتا یا پڑ سکتا ہے ان کے بارے میں ضروری اور بہتر سے بہتر معلومات حاصل ہوں اور ان کی ایسی رہنمائی ہو کہ وہ ان کے بارے میں اپنی ضرورت کے لحاظ سے بہتر سے بہتر معلومات اور نقطہ نظر بنا سکیں اور رکھ سکیں اس میں خاص طور پر تاریخ عالم اسلام کے سلسلہ کی معلومات، سیاسی معلومات، علم الاخلاق، علم النفس، اور فلسفہ کے صحیح اسلامی نظریات اور علم تعلیم کے سلسلہ میں صحیح اسلامی نقطہ نظر، اور مختلف سماجی عمرانی مضامین جن سے موجودہ زندگی کو سابقہ پڑتا رہتا ہے، قابل ذکر ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہمارے دینی و اسلامی تعلیم گاہوں میں ان کی طرف توجہ نہ کی گئی تو یہ مضامین و معلومات طلبہ، دوسرے اور غیروں کے علمی سرچشموں سے حاصل کریں گے۔ وہ ان سے صرف نظر نہ کر سکیں گے، اور غیروں سے حاصل کرنے کی صورت میں ان سے نقصانات واضح ہیں۔

پانچواں نقطہ یہ ہے کہ صحافت اور لٹریچر کی طرف بھی توجہ کی جائے، کیونکہ ہم رائج الوقت صحافت و لٹریچر کو روک نہیں سکتے جس سے زبردست اثرات ذہنوں اور خیالات پر پڑ رہے ہیں، لہٰذا ان کا متبادل مہیا کرنا اور قارئین کی اس طلب کو پورا کرنا ہی اس کا صحیح حل ہے۔

بقیہ: بچوں کی گھریلو تربیت

ان کو کہو کہ رات کا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھائیں سویرے اٹھ کر تہہ کر کے احتیاط سے رکھ دیں کپڑوں کی گٹھری اپنے انتظام میں رکھیں اُدھڑا پھٹا خود سی لیا کریں، کپڑے خواہ میلے ہوں خواہ اُجلے ہوں، ایسی جگہ رکھیں، جہاں کیڑے کا، چوہے کا اندیشہ نہ ہو، دھوبن کو خود گن کر دیں اور لکھ لیں، اور گن کر پڑتال کر کے لیں۔

(۳۲) لڑکیوں کو تاکید کرو کہ جو زیور تمہارے بدن پر ہے رات کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب اٹھو دیکھ بھال لیا کرو۔

(۳۳) لڑکیوں سے کہو کہ جو کام کھانے پکانے، سینے پرونے، کپڑے رنگنے، چیز بُننے کا گھر میں ہوا کرے اس میں غور کر کے دیکھا کرو کہ کیونکر ہو رہا ہے۔

(۳۴) جب بچے سے کوئی بات خوبی کی ظاہر ہو اس پر خوب شاباش دو، پیار کرو، بلکہ اس کو کچھ انعام دو تاکہ اس کا دل بڑھے، اور جب اس کی بری بات دیکھو اول تنہائی میں اس کو سمجھاؤ کہ دیکھو بُری بات ہے، دیکھنے والے دل میں کیا کہتے ہوں گے، اور جس جس کو خبر ہوگی وہ دل میں کیا کہے گا، خبردار پھر مت کرنا، نیک بخت لڑکے ایسا نہیں کیا کرتے، اور اگر پھر وہی کام کرے مناسب سزا دو۔

(۳۵) ماں کو چاہیے کہ بچے کو باپ سے ڈراتی رہے۔

(۳۶) بچے کو کوئی کام چھپا کر مت کرنے دو۔ کھیل ہو یا کھانا یا اور کوئی شغل ہو، جو کام چھپا کر کرے گا سمجھ جاؤ کہ وہ اس کو برا سمجھتا ہے، سو اگر وہ برا ہے تو اُسے چھڑاؤ اور اگر اچھا ہے جیسے کھانا پینا تو اس سے کہو سب کے سامنے کھائے پیے۔

(۳۷) کوئی کام محنت کا اس کے ذمہ مقرر کر دو، جس سے صحت اور ہمت رہے سستی نہ آنے پائے، مثلاً لڑکوں کے لیے ڈنڈ مگدر کرنا، ایک آدھ میل چلنا، اور لڑکیوں کے لیے چکی یا چرخہ چلانا ضروری ہے، اس میں یہ بھی فائدہ ہے کہ ان کاموں کو عیب نہ سمجھیں گی۔

(۳۸) چلنے میں تاکید کرو کہ بہت جلدی نہ چلے، نگاہ اوپر اٹھا کر نہ چلے۔

(۳۹) اس کو عاجزی اختیار کرنے کی عادت ڈالو، زبان سے، چال سے، برتاؤ سے، شیخی نہ بگھارنے پائے یہاں تک کہ اپنے ہم عمر بچوں میں بیٹھ کر اپنے کپڑے یا مکان یا خاندان یا کتاب و قلم دوات، تختی تک کی تعریف نہ کرنے پائے۔

(۴۰) کبھی کبھی اس کو دو چار پیسے دیدیا کرو کہ اپنی مرضی کے موافق خرچ کیا کرے، مگر اس کو یہ عادت ڈالو کہ کوئی چیز تم سے چھپا کر نہ خریدے۔

کھانے کا طریقہ

(۱) داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ (۲) شروع میں بسم اللہ کہو (۳) اپنے سامنے سے کھاؤ۔ (۴) اوروں سے پہلے مت کھاؤ۔ (۵) کھانے کو گھور کر مت دیکھو۔ (۶) کھانے والوں کی طرف مت دیکھو۔ (۷) بہت جلدی جلدی مت کھاؤ۔ (۸) خوب چبا کر کھاؤ (۹) جب تک لقمہ نگل نہ لو دوسرا لقمہ منہ میں مت رکھو۔ (۱۰) شوربا وغیرہ کپڑے پر نہ ٹپکنے پائے۔ (۱۱) انگلیاں ضرورت سے زیادہ سننے نہ پائیں۔

محفل میں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ

(۱) جب کسی سے ملو ادب سے ملو۔ (۲) نرمی سے بولو۔ (۳) محفل میں تھوکو نہیں (۴) وہاں ناک صاف مت کرو، اگر ایسی ضرورت ہو وہاں سے الگ چلے جاؤ۔ (۵) اگر وہاں اگر جمائی یا چھینک آئے، منہ پر ہاتھ رکھو (۶) آواز پست کرو، (۷) کسی کی طرف پشت مت کرو۔ (۸) کسی کی طرف پاؤں مت کرو۔ (۹) ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ دے کر مت بیٹھو، (۱۰) انگلیاں مت چٹخاؤ۔ (۱۱) بلاضرورت بار بار کسی کی طرف مت دیکھو (۱۲) ادب سے بیٹھے رہو (۱۳) بہت مت بولو۔ (۱۴) بات بات میں قسم مت کھاؤ۔ (۱۵) جہاں تک ممکن ہو خود کلام مت کرو۔ (۱۶) جب دوسرا شخص بات کرے خوب توجہ سے سنو کہ اس کا دل نہ بجھے، البتہ اگر گناہ کی بات ہو مت سنو یا تو منع کر دو یا وہاں سے اٹھ جاؤ۔ (۱۷) جب تک کوئی شخص بات پوری نہ کرے بیچ میں مت بولو۔ (۱۸) جب کوئی آئے اور محفل میں جگہ نہ ہو ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ، مل کر بیٹھ جاؤ کہ جگہ ہو جائے (۱۹) جب کسی سے ملو یا رخصت ہونے لگو السلام علیکم کہو اور جواب میں وعلیکم السلام کہو اور طرح طرح کے الفاظ مت کہو۔

بقیہ: سوال؟ جواب؟

لہٰذا بلاعذر بھی نفل حج دوسرے سے کرا سکتا ہے۔

سوال:۔ کیا اگر کوئی انسان اپنی خوشی سے کسی کو اپنا کوئی عضو دینا چاہے تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ نہیں، شریعت مطہرہ نے ایک انسان کے اعضاء کو دوسرے انسان کے لئے استعمال کرنا اسکی رضامندی اور اجازت کیساتھ بھی جائز نہیں رکھا ہے کیوں کہ (۱) انسان کے اعضاء اپنی ملکیت نہیں ہیں (۲) انسانی شرف کے خلاف ہے۔ (۳) اگر یہ جائز ہوتا تو غریب انسان کی آنکھیں اور اس کے دوسرے اعضاء بازار میں بکا کرتے جو انسان کی تخلیق کے منشا کے خلاف ہے۔

مسلمانوں کی ملی تعمیر کا مسئلہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(صدر شعبہ عربی ادب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

انسانی زندگی کی درستگی

اور حسن اس کے تربیتی نظام پر قائم ہے یہ تربیتی نظام ماں باپ اور گھر کے بڑوں سے شروع ہو کر مصلحین اور سماجی قائدین اور منتظمین نظام تعلیم و تربیت تک جاتا ہے، اور خوش کن و پسندیدہ نتائج کے پیدا ہونے میں ان تینوں ذرائع کے اچھے ہونے کا بڑا حصہ ہے۔

زندہ قوموں میں اس اہم مسئلہ کی طرف بڑی توجہ دی جاتی ہے اور پھر اس کے بہتر سے بہتر مطلوبہ نتائج حاصل کئے جاتے ہیں، دوسری طرف اونگتی سوتی اور لاابالی مزاج رکھنے والی قوموں میں اس کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے پھر ان قوموں کو اس غفلت کے سنگین نتائج بھگتنے پڑتے ہیں۔

تاریخ میں اس کی دونوں طرح کی مثالیں خوب ملتی ہیں، اور قوموں کے عروج و زوال کے اسباب میں اس بات کا بنیادی حصہ ہے، اسلامی زندگی اس کے تربیتی کام ہی مضبوط ہوئی اور ایک ایسی قوم جو منتشر بھی تھی مذہبی لحاظ سے گمراہ اور دنیاوی لحاظ سے پسماندہ تھی، اس کی تربیت قرآن اور رسول اسلام کے ذریعہ ایسی ہوئی کہ نہ صرف وہ اپنے زمانہ کی قائد و معلم و رہبر بنی بلکہ مذہب، علم، ثقافت و تمدن سب کی اس نے ایک عظیم تاریخ بنادی، جس کے ورثہ و سرمایہ سے مسلمان قومیں صدیوں فائدہ اٹھاتی رہیں اور برابر فائدہ اٹھاتی رہے گی، موجودہ دنیا کی متمدن قوموں نے بھی اپنے علم و تمدن کی بنیاد اسی پر رکھی،

تربیت کے کام کو موجودہ زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے تین پہلوؤں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے، ایک پہلو عمومی رہنمائی اور تربیت کا ہے، جو گھر کے اندر گھر کے بڑوں کے ذریعہ اور اور گھر کے باہر قائدین و مصلحین اور عام مخلصین کے ذریعہ ہوتی ہے، دوسرا پہلو تعلیمی نظام کے ذریعہ عمل میں لاتا ہے اور تیسرا پہلو دیگر اطلاعاتی و نشریاتی ذرائع سے تعلق رکھتا ہے، تربیت کے یہ تینوں پہلو نوخیز نسل کی تو باقاعدہ تشکیل کرتے ہیں ہی بڑی نسلوں کو جو تعلیمی نظام سے گذر چکی ہیں یا جن کو اس سے واسطہ نہیں پڑا ان کو بھی بقیہ ان میں سے دو پہلو بڑی حد تک متاثر کرتے ہیں اور ان کے مزاج و ذہن پر اثر ڈالتے ہیں،

ضرورت ہے کہ ہم مسئلہ کو باریکی کے ساتھ دیکھیں اور غور کریں کہ مسلمانوں کو اس رخ سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے ان کی صحیح تشکیل میں کیا بگاڑ پیدا ہو رہا ہے،

مسئلہ صرف نوخیز نسل کا ہی نہیں بلکہ اب بڑی نسل کا بھی ہے دونوں طرح کی نسلوں کو مذہب کا وفادار اور مسلمانوں کے تہذیبی و نظریاتی اقدار کا پابند کس طرح رکھا جائے؟ یہ ایک اہم مسئلہ ہے اگر اس کی فکر نہیں کی جاتی تو مسلمانوں کی تہذیبی مذہبی و نظریاتی زندگی کا بتدریج تحلیل ہو کر دیگر کسی قوم کے مذہبی تہذیبی و نظریاتی سانچوں میں ڈھل جانا بالکل مستبعد نہیں۔

ہندو قوم کے متعلق بعض اہل تحقیق و مطالعہ نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے پورے دور اقتدار میں ان کے گھروں کے اندر عورتیں بچوں کے لیے ہندی اور اپنی مذہبی بنیادی تعلیم و تربیت کا نظم رکھتی ہیں اور ہندو تاجر اپنے تجارتی بہی کھاتے ہندی میں رکھتے رہے اس کی بنا پر مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوتے ہی ہندو تہذیب و مذہب اپنی پوری زندگی کے ساتھ ابھر کر آگیا، ہندو تہذیب کی حفاظت میں ان کی عورتوں نے بڑا نمایاں حصہ لیا اور گھروں کے اندر اسی کو برابر قائم رکھا جس کی وجہ سے ان کی نئی نسلیں ثقافتی تحلیل سے محفوظ رہیں،

مسلمانوں کے گھروں میں تقسیم ہند کے قریب تک اسلام سے وابستہ رکھنے کے لیے اس طرح کے ایک انتظام کی مثال ملتی ہے اور وہ مثال یہ ہے کہ بچوں بچیوں کو ان میں سمجھ آتے ہی قرآن مجید ناظرہ پڑھانا اور عربی و اردو کی حرف شناسی کرانا شروع کرا دیا جاتا تھا، اور بچہ جب اسکول و مدرسہ جانے کے قابل ہوتا تو وہ قرآن مجید ناظرہ کے مرحلے سے گذر چکا ہوتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی مائیں اور بڑی بوڑھیاں بچوں کے والد اور بڑے ان کو اسلام کے بنیادی معاملات سے باتوں باتوں میں واقف کراتے رہتے تھے، انبیاء کا تعارف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک امتی ہونے کا ربط و تعلق پیدا کر دیتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ فخر پیدا کر دیتے تھے کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمان ہی معیاری انسان ہوتا ہے۔

لیکن یہ رواج تقسیم ملک کے بعد ہی سے کم ہوتا چلا گیا اور اب اس کی جگہ ریڈیو وٹیلی ویژن کے پروگراموں نے اور کھیل کے ماہرین کے ناموں اور کارناموں نے لے لی ہے آج ایک مسلمان بچے سے انبیاء کے سلسلہ میں کچھ پوچھا جائے تو ان سے ناواقف نکلے گا لیکن کرکٹ کے پلیئروں کے پورے حالات جانتا ہوگا، لکھی ہوئی چیزوں کو سامنے رکھ دیا جائے تو قرآن مجید عربی اور اردو الفاظ کے پڑھنے سے قاصر ہوگا اس کے بجائے وہ ہندی یا انگریزی کا حرف شناس پایا جائے گا،

اب والدین کو اس کی فرصت نہیں کہ وہ اپنے بچوں کے دماغ میں کوئی ایسی بات ڈال سکیں جو ان کو ان کے مذہب و تہذیبی اقدار سے روشناس کرا سکے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچے جو اپنے گھروں سے اپنے مذہب اور اپنے تہذیبی اقدار سے بیگانہ نکلتے ہیں، قومی نظام تعلیم کے دھارے میں پڑنے کے بعد کسی بھی تہذیبی و مذہبی رخ کو اختیار کر سکتے ہیں۔

گھر کے دائرے سے آگے بڑھ کر باقاعدہ تعلیم کا مرحلہ آتا ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو اس کے سلسلہ میں بھی فضا بالکل تاریک نظر آتی ہے کسی قوم کے اس کے اپنے اقدار پر قائم رکھنے کے لیے اس کے تعلیمی نظام میں سب سے اہم مسئلہ زبان کا اور ذہنی تشکیل کا فرض انجام دینے والے مضامین کا ہوتا ہے انہیں سے فرد کی شخصیت بنتی ہے اور اس کے اخلاق کسی متعین سانچے میں ڈھلتے ہیں اور یہ مسئلہ کوئی جزوی یا محدود مسئلہ نہیں ہے بلکہ بہت ہمہ گیر اور نتیجہ خیز مسئلہ ہے اسی سے کوئی اپنی مذہبی سوسائٹی اپنے کو مستغنی سمجھ سکتی ہے اور نہ کوئی لامذہبی سوسائٹی اسی سے قوم کے افراد میں ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنے مقاصد پر ایمان اور ان کے لیے جد و جہد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں ہے یہ بے حد اہم اور بنیادی مسئلہ ہے اقوام و ملل کے لیے اس کی حیثیت موت و زیست کے سبب کی ہوتی ہے۔

جہاں تک زبان کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس کی اہمیت صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس کے بولنے اور استعمال کرنے والوں کے درمیان ایک مانوس اور پسندیدہ ذریعہ رابطہ ہے بلکہ اس کی اہمیت اس کے استعمال کرنے والوں کے ذہنوں و رجحانات پر اس کے اثر میں بھی خاصی ہے۔

زبان کے الفاظ و جملے، محاورے، تلمیحات اور فقرے اپنی اپنی مخصوص شخصیت رکھتے ہیں اور ان کا سننا چھوٹے پیمانے پر تقریباً وہی اثر رکھتا ہے جو مختلف لوگوں سے ملنے سے ہوتا ہے جس طرح انسانوں میں مختلف الحال و مختلف الاثر افراد ہوتے ہیں کہ کسی سے ملنے پر نیک خصلت انسان کا پرتو ملتا ہے اور کسی سے ملنے پر بدنیت انسان کا سایہ محسوس ہوتا ہے اور کسی سے ملنے پر ایک مسلمان کی ملاقات کا لطف ملتا ہے اور کسی سے ملاقات پر کافر کی پرچھائیں نظر آتی ہے یہی بات زبان کے الفاظ اور فقروں میں بھی ملتی ہے، عبادت اور پوجا اور پرمیشر سلام اور پرنام اللہ، پرمیشور اور گاڈ کے الفاظ اپنے الگ الگ تاثرات دیتے ہیں، اگرچہ معنی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مرادف سمجھے جاتے ہیں، عبادت کے لفظ سے کوئی شخص نماز کی ہیئت میں یا اسلامی طریقہ پر ذکر کرتے ہوئے کے تصور میں آتا ہے اور پوجا کے لفظ سے ادب کا تصور ابھرتا ہے سلام کے لفظ سے السلام علیکم کہتا ہوا کوئی مسلمان آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور پرنام کے نام سے کوئی شخص ہاتھ جوڑ کر آداب بجا لاتا ہوا معلوم ہوتا ہے جس کے متعلق ذہن میں غیر مسلم کا خیال ابھرتا ہے زبان یوں تو کہنے کو محض زبان ہے لیکن وہ در اصل پوری تہذیب ہے، وہ نظام اخلاق ہے وہ مذہب ہے صرف زبان کی تعلیم کسی کے بھی ذہن کو ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف ایک تہذیب سے دوسری تہذیب کی طرف منتقل کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستانی مسلمان اردو سے دست بردار ہوتے ہوئے افسوس ہے کہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ اپنی نسلوں کو کہاں سے کہاں منتقل کرنے جا رہے ہیں۔

زبان کے اثرات عام زندگی میں بھی پڑتے ہیں اور نظام تعلیم پر بھی پڑتے ہیں، نظام تعلیم میں زبان کی تعلیم اپنے الگ قسم کے اثرات اور فوائد رکھتی ہے، اسی لئے تمام زندہ قومیں زبان کی تعلیم اور زبان کے مسئلہ میں اصرار اپنی قومی و ملی زندگی کے لیے ضروری مسئلہ سمجھتی ہیں اور اس پر مفاہمت کے لیے تیار نہیں ہوتیں

ہاں اگر کسی اگر یہ حالات کے باعث زبان کی تبدیلی ہو جائے تو سب سے مقدم ضرورت یہ ہوتی ہے کہ اس نئی زبان میں اپنی تہذیب سما دی جائے اور جب تک وہ تہذیب اس میں سما نہیں جاتی اس وقت تک یہ سمجھنا چاہیے کہ اس زبان سے جو غلط اثرات پڑ سکتے ہیں ان کے تدارک و ازالہ کے لیے خارجی یا اضافی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

جہاں تک ان مضامین کا تعلق ہے جو ذہنی تشکیل کا فرض انجام دیتے ہیں ان میں ادب، تاریخ، سیاست، اخلاق اور دیگر سماجی مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان مضامین کے ذریعہ ہر طرح کا اثر قارئین کے ذہنوں اور دلوں پر ڈالا جا سکتا ہے، موافق اور متضاد تصورات پیدا کیے جا سکتے ہیں ان کے ذریعہ انسانی ذہنوں میں تبدیلی لانے کا کام پوری کامیابی سے کیا جا سکتا ہے یہ وہ مضامین ہیں کہ کوئی پڑھا لکھا آدمی ان سے صرف نظر نہیں کرتا، اگر تعلیم گاہ کے مرحلہ میں یہ نہ ملیں تو عام علمی زندگی میں ان سے رابطہ قائم کر لیا جاتا ہے اور پھر ان مضامین کا مواد فراہم کرنے والے اپنے قارئین کے ذہنوں کو اپنے شیشے میں اتار لیتے ہیں۔

تاریخ میں اورنگ زیب کو جس طرح بدنام کیا گیا اور مسلمان حکمرانوں کی جو خراب تصویر پیش کی گئی اس سے عام پڑھے لکھے مسلمان کتنی بڑی تعداد میں متاثر ہوئے اور ان کو اپنے اسلاف کے اس طبقے سے نفرت کا احساس ہونے لگا، اس میں قصور کس کا تھا، قصور دراصل خود مسلمانوں کا تھا کہ انہوں نے غیر مسلموں کی لکھی ہوئی تاریخ کو اپنی معلومات کا ذریعہ بنایا اور نئی نسل کے لیے اسی کو علمی سرمایہ بنایا لیکن جب بعض مسلمان ماہرین تاریخ نے ان غلط فہمیوں کا پردہ چاک کیا تو بہت سے لوگوں کے ذہن درست ہوئے لیکن پھر بھی کتنے ایسے ذہن ہیں جو ابھی اس نئے وضاحتی لٹریچر تک نہیں پہنچ سکے، اور جادو ناتھ سرکار کی لکھی تحریروں کو آخری اور مستند ترین ماخذ سمجھتے ہیں۔

علم الاخلاق ایک وسیع علم بن چکا ہے، جس میں یورپ کے بڑے بڑے مفکرین نے اپنی محنت و تحقیق سے رنگ آمیزی کی ہے اور پڑھے لکھے لوگ عموماً اسی سے متاثر ہیں ان کے اثر کو صرف ان کو برا کہنے سے دور نہیں کیا جا سکتا، وہ علمی و تجرباتی بنیادوں کا سہارا لیتے ہیں، اور ان سے اپنی بات کو وقیع بناتے ہیں۔ ان کے توڑ کے لیے ہم اگر اسی معیار کا جواب نہیں تیار کرتے تو ہم ان کے بنائے ہوئے تصورات اور خیالات کو بدل نہیں سکتے، اس وقت مسلمانوں کا علمی قافلہ عموماً انہی تصورات اور خیالات کے جلو میں چل رہا ہے۔

جدید یورپ نے فلسفہ اور نفسیات کے دائروں میں بہت سے نظریات اپنائے ہیں جن کی بنیاد الحاد و مادہ پرستی پر اور کسی حد تک بگڑی ہوئی عیسائیت پر ہے لیکن ان نظریات پر علمی تحقیق اور تجرباتی نتائج کا غلاف چڑھا کر ان کو مؤثر اور خوشنما بنا دیا ہے، ہمارے مشرقی ممالک کی درسگاہوں میں بھی آج اس کی ترویج اور چلن ہے اور جدید تعلیم یافتہ انسان ان کا خاصا حد تک شکار ہے کیونکہ اس کے پاس مناسب اور مطمئن کرنے والی زبان و طریقہ استدلال میں ضرورت کی کتابیں نہیں ہیں جن کو وہ جدید یورپ سے آئے ہوئے علمی سرمایہ کا بدل سمجھ سکے۔

افسوس یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس و جامعات بھی اس ضرورت کی طرف توجہ نہیں دے رہے ہیں اور اپنے یہاں کے خوشہ چینیوں کو ایسا سرمایہ نہیں دے رہے ہیں جو ان کو اپنے فکری معتقدات اور اپنے تہذیبی معمولات کو صحیح طور پر سمجھنے اور مخالف خیالات کے بطلان کو جاننے کا ذریعہ بن سکے، روسو جان جاک روسو نے جس جمہوریت کا ذہن بنایا، ڈارون نے انسان کی جو حقیقت بتائی، فرائڈ نے انسانی جذبات کی جو بنیاد متعین کی، جان پول سارتر نے انسان کا جو مقام و ضرورت طے کی، میکاولی نے سیاست و طاقت کا جو فلسفہ مقرر کیا، مارکس نے انسانی سماج کا جو نظام بتایا وہ سب محض سرسری دعووں پر نہیں متعین کیا بلکہ ان کے ساتھ زبردست علمی استدلالات کا انبار لگایا، اگر ہم علم کو علم سے زیر نہیں کرتے تو ہم مغلوب ہونے پر مجبور رہیں گے کیونکہ لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے۔ ہندوستان میں ان فلسفوں میں ایک اضافہ مقامی غیر اسلامی فلسفہ کا ہو رہا ہے جو ان پر مستزاد ہے عصر جدید کی تعلیم گاہیں اور علمی ادارے انہی سب فلسفوں اور نظاموں کے سایہ میں چل رہے ہیں اور ان سے مسلمانوں کی جدید نسلیں بھی وابستہ ہیں، ان کے صرف چند افراد کو ہماری خالص دینی درسگاہیں اور ادارے کسی طرح حاصل کر لیتے ہیں اور ان کو اسلامی رنگ میں رنگنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک تو ان کی تعداد دیگر افراد کی تعداد کے لحاظ سے دو چار فیصدی سے زیادہ نہیں، مزید یہ کہ ان کے لیے طے کردہ نظام تعلیم میں سماجی مضامین کا علی العموم کوئی حصہ نہیں، اس کی ناگزیر ضرورت کے لیے ہماری ان درسگاہوں کے طلبا عصر جدید کے عمومی دھارے میں بہنے پر مجبور ہوتے ہیں یعنی ان کو اس کے سلسلہ میں وہی لٹریچر مطالعہ کے لیے ملتا ہے جو غیر اسلامی ذہن اور غیر اسلامی خیالات کی اساس پر تیار کیا گیا ہے اور برابر کیا جا رہا ہے، ہمارے تربیتی نظام میں عام ماحول اور تعلیم گاہوں کے پہلوؤں کا تو یہ حال ہے جو ہماری نئی نسل کو کسی دوسرے رخ پر بہانے کے لیے کافی ہے اس پر مستزاد تربیتی نظام کا تیسرا پہلو ہے جو اطلاعاتی و نشریاتی ذرائع سے تعلق رکھتا ہے، ریڈیو اور ٹیلیویژن اور روزنامے یہ روزینہ تربیت کا منظم نظام بنے ہوئے ہیں اور تصورات و معتقدات کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کا کام کر رہے ہیں۔ شرک و کفر، فسق و فجور، قتل و دہشت گردی سے جس طرح ذہنوں کو مانوس بنایا جا رہا ہے اور مادہ پرستانہ ذہن کو جس طرح ابھارا جا رہا ہے وہ اگر تعلیم اور عمومی ماحول کے ذریعہ بگاڑ پیدا ہونے میں کوئی کمی رہ گئی ہو تو یہ اس کی کمی کو بدرجہ اتم پورا کرنے کا فرض انجام دے رہا ہے۔

اس تمام صورت حال کے مقابلہ کے لیے ہمارے پاس کیا طریقہ و ذریعہ ہے؟ اولاً تو مسلمانوں کے اہل علم و فکر طبقہ کو صورت حال کا صحیح جائزہ لینا چاہیے اور پھر اس کے لیے عملاً جو تدابیر اختیار کرنا ضروری ہیں وہ حسب مقدور اختیار کرنا چاہیے، اس وقت ہماری ملت کی بڑی مصیبت یہ ہے کہ زبانی کام بہت بڑھا ہوا ہے، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ ملت کی جو خدمت انجام دی جا رہی ہے، عموماً اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے حالانکہ بنیادی ضرورت ٹھوس اور عملی کام کی زیادہ ہے۔

میرے نزدیک اس وقت پانچ نقاط پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، ایک تو مسلمان گھروں میں حسب مقدور ایسا ماحول بنانا چاہیے کہ اس سے نئی نسل کے افراد اپنے مذہب اپنی ثقافت کا اولین درس ضرور حاصل کر لیں اس کے لیے گھروں کے اندر اختیار کیا جانے والا پرانا طریقہ دوبارہ رائج کرنا چاہیے کہ والدین اور گھر کے بڑے اس کی فکر کریں کہ بچے بچیاں سمجھ کی عمر تک پہنچتے ہی قرآن مجید اور دین کی بنیادی باتیں جان لیں خواہ ماں باپ خود یہ کام کریں یا گھر کے دیگر بڑی بوڑھیاں انجام دیں گھر کے اندر اسی ابتدائی عمر میں بچوں بچیوں کو اپنے مذہب اپنے رسول اور اپنے بزرگوں اور موٹے موٹے تہذیبی معاملات بتائے جائیں اور ان میں اپنے مذہب سے تعلق و محبت کا جذبہ پیدا کر دینا چاہیے، یہ کام کچھ مشکل نہیں ہے، کیونکہ ابھی مسلمانوں کی وہ نسل باقی ہے جس نے اسی طریقہ سے اپنے دین اور اس کے بنیادی معاملات کو اپنے بڑوں سے سیکھا اور جانا ہے، رات میں ماں باپ اپنے بچوں کو جو کہانیاں سناتے ہیں ان کے اپنانے میں بھی اس مقصد کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے اور ان سے بھی بڑا کام لیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ ریڈیو ٹیلیویژن اور اخبارات و رسائل سے استفادہ کے سلسلہ میں اعتدال اور کنٹرول قائم کرنا چاہیے، تاکہ کم از کم ان کے مضر اور وقت کو ضائع کرنے والے پروگرام بچوں بچیوں اور گھر والوں کو کم سے کم نقصان پہونچائیں، اسی کے ساتھ ساتھ وقتاً فوقتاً ایسے امور کی توجہ دلانی چاہیے جن سے اخلاق و سیرت کے بننے میں مدد مل سکتی ہو، یہ سب کام آسانی سے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہو سکتا ہے اس کے لیے صرف فکر و احساس کی ضرورت ہے کسی بڑے انتظام کی ضرورت نہیں، دوسرا نقطہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام کے حکومتی انتظام میں ہونے کی وجہ سے تمام اسکول اور تعلیم گاہیں ایسی تعلیم سے خالی ہیں جن سے اسلامی مذہب و ثقافت کو مدد مل سکتی ہے اور مسلمانوں کی نئی نسل کے طلبہ کا تقریباً ۹۵ فیصد حصہ ان ہی میں پڑھنے جاتا ہے، ان تعلیم گاہوں کو تو ہم قابو میں نہیں لا سکتے لیکن یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اقلیتی تعلیم گاہیں قائم کرنے کی جہاں تک گنجائش ہو اس کو اختیار کریں نیز ایسے ضمنی مکاتب بکثرت قائم کر سکتے ہیں جو حکومتی درسگاہوں کے پہلو بہ پہلو ضمنی طور پر ان مضامین کی تعلیم مہیا کر سکتی ہیں جن کی ضرورت ہمارے طلبہ کو ناگزیر ہے اس کی مثال بڑی حد تک وہ مکاتب ہیں جو دینی تعلیم کونسل نے قائم کیے ہیں۔

تیسرا نقطہ یہ ہے کہ ہم اپنے معاشرہ کے مزاج و رنگ کو حتی الوسع اسلامی رکھنے کی کوشش کریں، جہاں ہماری آبادیاں ہیں مسجدیں ہیں وہاں ہم اخلاقی سطح پر روک ٹوک اور تبصرہ وغیرہ کے ذریعہ ماحول کو خراب ہونے سے بچانے کی کوشش کریں، وقتاً فوقتاً ایسے مواقع لانے کی کوشش کریں جن سے اہالیان محلہ کو اسلام کی اساسیات و مہمات سے واقفیت ہوتی رہے یا وہ تازہ ہوتی رہیں۔

بقیہ ص ۱۶ پر

[illegible]

[illegible]

ترجمہ [illegible]

مغربی سامراجیت کے ابتدائی دور میں یہ تصور عام کیا گیا کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، یورپ کا دین کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اور یورپ کی ترقی و برتری کا راز مذہب سے بغاوت ہے لیکن اس طویل عہد کے تجربہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر سطح پر کسی نہ کسی شکل میں یورپ کا مذہب کے ساتھ رابطہ قائم ہے چاہے وہ کتنا ہی محدود کیوں نہ ہو۔ جو لوگ ترقی پسندی اور آزاد خیالی میں مذہب کا زبانی طور پر انکار کرتے ہیں وہ بھی خاص حالات میں مذہبی تصورات سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہیں، جہاں مذہب کے خلاف مسلسل تحریکیں چلائی گئیں وہاں طویل مدت کے بعد اعتراف کرنا پڑا کہ مذہب لافانی چیز ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں مذہب کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا تناسب معلوم کرنے کی غرض سے جو اعداد و شمار حاصل کیے گئے ان کے مطابق لوگوں کی ایک بہت محدود تعداد ایسی ہے جو کسی مذہب کو تسلیم نہیں کرتی۔ مغرب کے مذہب سے کنارہ کش ہونے کا جو تصور عام ہے اس کی حقیقت مندرجہ ذیل حقائق سے سامنے آ جاتی ہے۔

(۱) دنیا میں عیسائیت کی ترویج و اشاعت کے لئے مغرب کا بڑھا ہوا جوش اور یورپی ممالک کا غیر یورپی ممالک میں بسنے والے عیسائیوں سے تعلق اور ہمدردی۔

(۲) مذہبی تحریکوں و اداروں کا ان ترقی یافتہ حکومتوں کی سرپرستی و تعاون میں قیام جو جمہوریت اور آزاد سیاست کی دعویدار ہیں

(۳) مشنری اسکولوں، اسپتالوں و گرجاؤں کے قیام پر صرف ہونے والی خطیر رقومات، ان کی ترقی کے لئے جدید وسائل کی فراہمی اور مغربی ملکوں کی اس سے بڑھتی ہوئی دلچسپی۔

(۴) راہبوں اور پادریوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ۔

(۵) پاپائے روم کا مغربی ملکوں میں اثر و رسوخ اور سرکاری طور پر ان کا اکرام و ضیافت

مغرب نے مسیحیت کی ترویج و اشاعت کے لئے اپنے تمام ممکنہ وسائل کو اپنا رکھا ہے اور اس غرض کے لئے سرکاری مشنری اور معاشی و ثقافتی اداروں کو آلہ کار بنا لیا ہے کہ مذہب کی اشاعت کے لئے مغرب کی انتھک کوشش اور مسیحی دعوت کی سرگرمیوں پر ترقی یافتہ مغربی ملکوں کا اتحاد کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں اور نہ ہی یورپ اس کو چھپانے کی ضرورت سمجھتا ہے۔

مذہب کی حکمرانی سے زندگی کو علیحدہ رکھنے کے تصور کو فرانس انقلاب کے بعد اس وقت مزید تقویت ملی تھی جب اشتراکی رہنماؤں نے اپنی مذہب بیزاری کا علانیہ اظہار کیا تھا اور اشتراکیت کے علمبرداروں نے یہ اعلان کیا تھا کہ مذہب اشتراکیت کا دشمن اول ہے لیکن اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی تھے۔ روس میں اشتراکی رہنماؤں کا مسیحیت سے ربط، یوروپین عیسائی اقوام کے حق میں ان کا تعصب اور اسلام، مسلمانوں سے ان کی نفرت آج تک جاری ہے اور بہت سے شواہد سے یہ بات عیاں ہو چکی ہے کہ ان کی مذہب بیزاری صرف اسلام بیزاری ہے چنانچہ مذہب کے خلاف مہم کا اصل نشانہ مسلمان ہی ہیں اور اس کا زور مسلم ریاستوں میں زیادہ محسوس کیا جاتا ہے۔

یورپ کی مذہب سے وابستگی اس بات سے اور زیادہ نمایاں ہوتی ہے کہ وہ اپنے زیر اثر مسلم ممالک میں مغربی طرز فکر کی اشاعت کے ساتھ عیسائیت پھیلانے والے اداروں کو تقویت پہونچانے اور ان کے واسطے مزید سہولتیں فراہم کرنے کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اسلام کی دعوت و اشاعت کے راستہ میں رکاوٹ کھڑی کرتا ہے، مسلم ملکوں کو اسلامی رجحان کو نہ صرف کچلنے کیلئے آمادہ کرتا رہتا ہے بلکہ اقتصادی و سیاسی دباؤ بھی ڈالتا ہے، مصر، سوڈان، [illegible] شام اور لبنان کے حالات اس کا بین ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اقتصادی اور سیاسی مصالح کی بنا پر مسلم اکثریت کے ممالک یورپ کی اس خواہش کو پورا کرنے پر مجبور ہیں اس کا سب سے بڑا ثبوت انڈونیشیا ہے جہاں عیسائیوں کو مسلمانوں سے زیادہ مذہب کی اشاعت کی آزادی حاصل ہے۔

مسلم ممالک میں مغربی ثقافت اور عیسائیت کی اشاعت کے پورے مواقع میسر ہیں اور عیسائی مبلغین کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں جبکہ بعض اہم اسلامی مفکرین کی آمد و رفت اور لٹریچر پر پابندی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمات، صلیب، نیز دیگر [illegible] اور اسپتالوں میں عام ہیں۔

خود جزیرۃ العرب اور اس کے پڑوسی ممالک میں مشنری کتابوں و اسکولوں کا جواز عطا کیا جاتا ہے جبکہ جزیرۃ العرب کے متعلق حضرت [illegible] موجود ہے کہ وہاں اسلام کے ساتھ کسی دوسرے مذہب کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

گرجاؤں کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے اور ان پر کوئی پابندی عائد نہیں ہے

اسلام اور اسلامی تمدن کی دشمن پارٹیوں اداروں اور تنظیموں کو جائز قرار دیا جاتا ہے اس کے نتیجہ میں ان ممالک میں عیسائی و صہیونی سرگرمیاں روز بروز بڑھتی جا رہی ہیں لیکن اسلامی دعوت مظاہر اسلامی کے متبعین اور اسلامی دینی اداروں کے قیام کے سوال پر نہ صرف یہ کہ ان کو جمہوریت کا فراموش کردہ سبق یاد آ جاتا ہے بلکہ ان کے ساتھ ان کا رویہ آمادہ پیکار دشمن جیسا ہوتا ہے۔

اسلامی سرگرمیوں، مذہبی تحریکوں اور اسلامی جماعتوں کے قیام پر پابندیاں بہت سے اسلامی ممالک میں عرصہ سے عائد ہیں لیکن ایک نئی چیز جو گزشتہ دنوں سامنے آئی ہے وہ ہے مساجد، قرآنی مکاتب اور تلاوت قرآن یا مذہبی اسباق کے لئے تشکیل کردہ مذہبی انجمنوں پر پابندی۔ تازہ اخباری رپورٹوں کے مطابق تیونس کی حکومت نے حکومت کے مرکزی دفاتر کے قریب مساجد کی تالہ بندی کے احکام صادر کئے ہیں جس کی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ مساجد سے زیادہ آمد و رفت رکھنے والے حضرات دہشت پسندانہ خیالات اخذ کرتے ہیں جبکہ گرجاؤں کے ذمہ داران پوری آزادی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مسلم ممالک کے ایک وزیر نے تو یہاں تک کہا ہے کہ کسی بھی سیاسی پارٹی حتی کہ کمیونسٹ پارٹی کو بھی سیاسی سرگرمیوں کی اجازت دی جا سکتی ہے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کیا جا سکتا ہے لیکن اسلامی تحریک اور اس کے متعلقین کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح مسلم ممالک میں شر آمیز اور اشتعال انگیز کتابچوں، جرائد و مجلات کو کھلی آزادی ہے لیکن اسلامی لٹریچر اور عظیم علماء اسلام کی تالیفات کی اجازت نہیں ہے کیونکہ ان کے [illegible] طبقہ کے نزدیک ان سے تشدد کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔

یہ طرز عمل واضح دلیل ہے کہ مغرب میں مذہب کا مطلب اسلام ہے [illegible] حکومتیں ان قدیم افکار و مذاہب اور قدیم ورثہ کے احیاء کی تحریکات کو جائز قرار دیتی ہیں جن کو بدعت [illegible] کو ترقی و [illegible]، قدامت پرستی اور دہشت پسندی سمجھتی ہیں۔ مذہبی نسل پرستی، تنگ نظری اور دقیانوسیت لیکن اسلام جو اپنی ہمہ گیری، انسان دوستی، رواداری اور وسعت نظر کی آزادی کے لحاظ سے وسیع ترین مذہب ہے اور جس کا نوع انسانی کو صدیوں تک کامیاب تجربہ و سابقہ رہا ہے اسے ہر ملک میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ مسلم ممالک میں بھی وہ اسی طرح جنگ کی کیفیت سے دوچار ہے جس طرح ان غیر مسلم ممالک میں جہاں نہ تو اس کی تبلیغ کی جاتی ہے، نہ اس کے پیروکاروں کی کوئی تنظیم قائم کی جا سکتی ہے اور نہ اسلام کے نام پر مسلمان جماعت کے درمیان مشترکہ اجتماع کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ سب چیزیں دہشت پسندی، تعصب، تشدد اور قدامت پرستی کا محرک قرار دی جاتی ہیں

مغرب کی اس مقصد میں خدمت صرف وہی ممالک نہیں کر رہے ہیں جن کے سربراہ اسلام بیزار ہیں یا جن کی نشو و نما خالص مغربی سامراجی اداروں میں ہوئی ہے بلکہ اس سلسلہ میں وہ ممالک بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہی کردار ادا کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو اسلام نواز کہتے ہیں۔ تحریک اسلامی کے سلسلہ میں ان کا رویہ بھی بہت افسوسناک ہے اور اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں سرگرم مشنری [illegible] اور [illegible] نہیں ہے جتنی کہ مغربی ممالک کی سرکاری مشنریں عیسائیت کی اشاعت کے سلسلہ میں نمایاں ہیں۔ اکثر ملکوں میں دعوت اسلامی کا کام کرنے والے پابندیوں کے شکار ہیں، اخلاقی و دینی تربیت کرنے والوں کو آزادی حاصل نہیں، سرکاری حلقوں کی طرف سے ان کی سرگرمیوں کو [illegible] بنیاد پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور فساد پھیلانے والے اور مغرب زدہ لوگ اصلاح پسند کہلاتے ہیں۔ قرآن انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہتا ہے۔ الا انهم هم المفسدون ولكن لا يشعرون۔

بقیہ ص [illegible] پر

عالم اسلام

محمود الازہار ندوی

افغانستان سے روسی افواج کا تخلیہ - اقوام متحدہ جنرل اسمبلی کی اپیل

اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے افغانستان میں روسی افواج کی مداخلت کے گزشتہ (۸) سال کے دوران تیسری مرتبہ کل وہاں سے افواج کے تخلیہ کا مطالبہ کیا اگرچہ روس کے اس قرارداد میں تبدیلی لانے کی مساعی میں ناکامی اٹھانی پڑی۔ (۱۵۹) رکنی اسمبلی نے (۱۹) کے مقابلہ میں (۱۲۳) ووٹوں سے اس قرارداد کو منظور کیا جب کہ (۱۱) ارکان نے رائے دہی میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے قبل شام اور جنوبی یمن نے اپنی دو ترمیمات واپس لے لیں جن میں افغانستان میں پاکستان اور مغربی ممالک کی مداخلت پر توجہ مرکوز کی گئی تھی پاکستان نے بھی اپنی ذیلی ترمیمات واپس لے لیں جن میں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں روسی وجود ہی اس مداخلت کا سبب ہے۔ ہندوستان جو اس بات کی تائید کرنے والا تھا کہ اس قرارداد میں روس کی تائیدی ترمیمات کو شامل کیا جائے رائے دہی سے احتراز کیا۔ یہ رائے دہی جنرل اسمبلی میں دو روزہ مباحثہ کے بعد ہوئی جس میں روس اور افغانستان کی جانب سے لائی گئی ترمیمات کے سلسلہ میں پر زور پس پردہ سرگرمیاں روبہ عمل لائی گئیں۔ ہندوستان جس نے رائے دہی سے احتراز کیا اس بات پر مایوسی اور افسوس کا اظہار کیا کہ اس کی اور دیگر غیر جانبدار ممالک کی اس مسئلہ پر اتفاق رائے کے حصول کی مساعی ناکام ثابت ہوئیں۔ افغانستان سے فوری روسی افواج کو ہٹانے سے متعلق قرارداد (۴۰) ممالک کی جانب سے پاکستان نے پیش کی اس سے قبل ہندوستانی سفیر متعینہ اقوام متحدہ مسٹر چنموئی آر گارے خان نے کہا کہ ہندوستان کی خواہش یہ ہے کہ ایک ایسا متن قرارداد کا مرتب کیا جائے جو تمام فریقوں کے لیے اطمینان بخش اور قابل قبول ہو اور اس سلسلہ میں ہندوستان سے مشورہ کیا جانا چاہیے تھا بھوٹان نے پہلی بار قرارداد کے حق میں ووٹ دے کر سفارتی حلقوں کو حیران کر دیا اس سے گزشتہ (۷) سال سے اس نے یا تو رائے دہی سے احتراز کیا یا اس سے غیر حاضر رہا جب کہ اس طرح کی قرارداد میں ماضی میں پیش کی گئیں۔ پاکستان اور امریکہ نے قرارداد کے حق میں رائے کے حصول کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بھوٹان کے ووٹ کی وجہ سے اس سال سابقہ (۱۲۲) تائیدی ووٹس کی بجائے قرارداد کو (۱۲۳) ووٹوں کی حمایت حاصل ہوئی۔ دیگر غیر جانبدار ممالک کی تجویز پر ہندوستان نے کوشش کی کہ قرارداد میں تمام بیرونی افواج کی واپسی اور بیرونی مداخلت شامل کیا جائے لیکن عین دم آخر اس کو اسی میں ناکامی ہوئی۔ شام اور جنوبی یمن نے ایک ترمیم پیش کی جس میں ایک فقرہ یہ شامل کیا جائے کہ افغانستان میں عدم مداخلت کے اصول کی پابندی کی جائے لیکن ووٹنگ سے قبل اس ترمیم کو انھوں نے واپس لے لیا۔ مسٹر گارے خان نے کہا کہ ہندوستان کی افغانستان اور اس سارے علاقہ کے بارے میں تشویش خود ہمارے صیانتی مفادات سے مربوط ہے انھوں نے کہا کہ ہندوستان کو خصوصاً اس علاقہ میں عصری اور انتہائی مہلک ہتھیاروں کو لانے پر شدید تشویش ہے ہمارا خیال ہے کہ افغانستان اور جنوبی مغربی ایشیا کے مسئلہ کا واحد حل سیر دبخل اور اعتدال پسندی اور ایک جامع طریقہ کار اختیار کرنے کی پالیسی میں مضمر ہے موجودہ قرارداد میں افغانستان مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں موجودہ نازک اور دھماکو صورت حال کا خاطر خواہ اظہار نہیں کیا گیا ہے اس لیے وہ رائے دہی سے احتراز کر رہا ہے۔

روسی افسروں کیلئے افغان خواتین اغوا کی جاتی ہیں

کابل سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق کابل روسی حکام نے کٹھ پتلی انتظامیہ کے خلق دھڑے سے تعلق رکھنے والے وزیر داخلہ سید محمد گلاب زرئی کو وارننگ دی ہے جنہوں نے اپنی وزارت کی خواتین اہلکاروں کے اغوا اور بے حرمتی پر شدید احتجاج کیا تھا۔ ایجنسی افغان پریس کے ذرائع نے بتایا کہ کابل میں مقیم روسی ایجنٹ عصمت مسلم نے فوجی دستے کے ساتھ وزارت داخلہ کی چار خاتون اہلکاروں کو اغوا کر کے کے۔ جی۔ بی کے ہیڈ کوارٹر پہنچا دیا، ان خواتین کو عصمت مسلم اور روسی فوجی افسروں نے کئی روز تک ہوس کا نشانہ بنایا اور ۲ نومبر کی صبح خواتین اہلکاروں کو روسی افسران اور ان کے گرگوں سے نجات ملی، اس واقعہ پر وزیر داخلہ سید محمد گلاب زرئی نے کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ کے سربراہ کو تحریری طور پر احتجاج کیا جس پر وزیر داخلہ کو قابض روسی حکام نے محتاط رہنے کی ہدایت کی ہے معلوم ہوا ہے کہ روسی ایجنٹ عصمت مسلم فوجی دستے کے ہمراہ روسی سول افسر فوجی افسران کی عیاشی کے لئے عورتوں کو جبراً اغوا کر کے کے۔ جی۔ بی کے ہیڈ کوارٹر بھجوا دیتا ہے جہاں سے اغوا شدہ خواتین روسی افسروں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں۔

ایران میں گذشتہ سات برسوں میں ۷۰ ہزار سے زائد کو پھانسی دی گئی ہے

ایران کے مجاہدین خلق ہم نواؤں نے کہا ہے کہ حکومت ایران جنگ سے متاثرہ ممالک پر اپنا تسلط قائم رکھنے کی غرض سے خلیجی جنگ کا سلسلہ جاری رکھنا چاہتی ہے۔

مجاہدین خلق کے ترجمان محمود یونسی نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ایرانی بجٹ کا ۵۰ فیصد جنگ پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جنگ کے تسلسل سے ایرانی علماء فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

مسٹر محمود یونسی نے کہا کہ ایرانی حکومت نے طلبا اور بچوں کو سمیت ایک لاکھ ہم ہزار ایسے افراد کو جیل خانوں میں بھر دیا ہے جو موجودہ حکومت کی مخالفت میں آواز بلند کرتے ہیں اور گذشتہ سات برسوں کے دوران ۷۰ ہزار سے زیادہ افراد کو پھانسی دے دی گئی ہے اور جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنے کے ڈر سے ایرانی عوام کی بڑی تعداد نے ملک و وطن کو خیرآباد کہہ دیا ہے۔

انہوں نے الزام لگایا کہ ایرانی علماء مختلف ملکوں کے امن و امان اور بھائی چارگی کو درہم برہم کرنے کی غرض سے دہشت گردوں کو بھیجتے ہیں۔

ایران میں فوجی خدمات سے استثنیٰ کے خواہاں ایرانی باشندے اپنی حکومت کو ۱۵۰۰ پونڈ ادا کریں

ایران میں ایسے افراد جو خرابی صحت کے سبب فوجی خدمات انجام دینے سے قاصر ہیں وہ حکومت کو ۱۵۰۰ پونڈ ادا کر کے اپنے آپ کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کرا سکتے ہیں۔

ایران کے بوشہر کے ایٹمی پلانٹ کی تباہی

ایران کے بوشہر میں ایٹمی پلانٹ کو تباہ کرنے کا عراق نے دعویٰ کیا ہے یہ وہی پلانٹ ہے جس کے متعلق ایرانیوں نے وارننگ دی تھی کہ اس پلانٹ پر حملے کی صورت میں تابکاری کے اخراج کی ذمہ داری عراق پر ہوگی۔ ایران نے یہ ایٹمی پلانٹ ۱۹۷۹ میں مغربی جرمنی کے تعاون سے قائم کیا تھا کیوں کہ سابق شہنشاہ ایران نے یورپی اور روسی امداد سے موجودہ صدی کے آخر تک ۲۰ ایٹمی ریکٹر لگانے کا منصوبہ تیار کیا تھا اور ۱۹۷۸ء میں ایک ریکٹر کا تخمینہ ۵۰ ملین ڈالر لگایا گیا تھا آیۃ اللہ جب آئے تو اس وقت چار ایٹمی منصوبوں پر کام ہوا تھا مگر امریکی اور روسی اثر و نفوذ کو کم کرنے کیلئے ایٹمی پروگرام کو رکوا دیا اور وہ چاہتی تھی برآمدی ٹیکنالوجی پر کم سے کم انحصار ہو اور اب تک اس کا ⅘ کام ہو چکا تھا جلد ہی ایران نے ⅕ بقیہ کام کو پورا کرنے کیلئے ارجنٹائن کی ایک کمپنی ENACE سے معاہدہ کیا تھا۔

غذا کا عالمی انعام سعودی عرب کو

سعودی عرب کو غلہ محفوظ کرنے اور آٹا بنانے میں غذا کا عالمی انعام کہ وہ غلہ کو بہتر طریقہ سے رکھتا ہے اور اس سے مختلف اشیاء بناتا ہے کا ۱۹۸۷ء کا عالمی انعام یورپین تجارتی ادارہ کی جانب سے دیا گیا ہے۔

سعودی عرب کے اس اعزاز و اکرام سے ان اسناد میں اضافہ ہو گیا ہے جو اس کو زراعت و غذا کی عالمی تنظیم اور غذائی اشیاء کی تیاری کے لیے عرب اتحاد سے دیے گئے ہیں۔

بقیہ صـ۱۱ پر

جنگ افغانستان کا چشم دید روسی گواہ

پال کوئن جج - کرسچین سائنس مانیٹر

دمتری نے (یہ اس کا فرضی نام ہے) دو برس افغانستان میں گذارے وہ ایک سویت فضائی یونٹ میں شامل تھا۔ اب اس کی واپسی کو بھی کئی برس گذر چکے ہیں لیکن اس کے لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ اس نے وہ عرصہ وہاں کیسے گذارا۔

یہ پوچھنے پر کہ کیا تمہارے بہت سارے ساتھی وہاں کام آئے، اس نے بتایا کہ میری کمپنی کے ۶۰ فیصد سے زیادہ آدمی مارے گئے، مغربی حلقوں کا اندازہ ہے کہ ۱۹۷۹ء کے اواخر میں افغانستان پر سوویت یونین کی فوج کشی کے وقت سے اب تک وہاں ۲۵ ہزار سے زیادہ روسی فوجی ہلاک اور زخمی ہو چکے ہیں لیکن دمتری کا کہنا ہے کہ اس کے بعض افسروں نے تو اس سے زیادہ تعداد بیان کی ہے یعنی دس ہزار تا ۲۰ ہزار سالانہ۔

دمتری کا کہنا ہے کہ واقعی ہمیں اب بھی نہیں معلوم کہ ہم افغانستان میں کیا کر رہے تھے، وہاں ہم اور ہمارے ساتھی جنگ کے بارے میں کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے، ہم چٹکلوں کی اور لڑکیوں کی باتیں کرتے تھے۔

یہ پوچھنے پر کہ افغانستان جانے سے پہلے وہ اس ملک کے بارے میں کیا جانتا تھا دمتری مسکرا دیتا ہے اور سرکاری توضیحات کو دوہراتا ہے۔ یہی کہ وہاں کچھ تغیرات ہو رہے ہیں، ہمارے ملک کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنی ہے، پھر سیاسی افسروں نے ہمیں سمجھانا شروع کیا کہ اگر افغانستان کو پوری طرح محفوظ نہ بنایا گیا تو وہاں امریکی اپنے راکٹ لگا دیں گے۔

وہ کہتا ہے کہ اب ہم سن رہے ہیں کہ ماسکو افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانے کے منصوبے بنا رہا ہے جن کی تعداد مغربی حلقے ایک لاکھ ۱۵ ہزار تا ایک لاکھ ۲۰ ہزار بتا رہے ہیں، میرے خیال سے نجات کی یہی بہترین صورت ہے۔

روسی معاشرت کی ایک جھلک

دمتری نے یونیورسٹی کی تعلیم نامکمل چھوڑ دی تھی، اس نے کہا کہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے مقابلہ میں کئی اعتبار سے بہتر تھا میں تقریباً ان سب میں بڑا تھا، مجھے شہری زندگی کا کچھ شعور تھا جو دوسروں کے نزدیک محض ایک خیالی جنت تھی، میرے پیچھے گھر پر کوئی نہیں تھا جسے میری فکر ہوتی۔ والدین سے میری بول چال نہیں تھی، میری بیوی مجھے چھوڑ گئی تھی اور جس لڑکی سے مجھے محبت تھی اس نے میرے لڑائی پر جانے کے چند ماہ بعد کسی اور کے ساتھ شادی کر لی۔

افغانستان میں میں نے جو دوستی بنائی اس نے خاندان کی کمی پوری کر دی، ہمارے گرد ایسے لوگ تھے جن پر پوری طرح بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اب ان کی کمی محسوس ہوتی ہے ہماری یونٹ کے جو بچے کھچے لوگ ہیں ان سے ہم رابطہ قائم رکھتے ہیں ان میں ایک افسر بھی شامل ہے، یہ سب ملک کے مختلف حصوں میں رہتے ہیں لیکن ہر ماہ کم سے کم ایک بار ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش کرتے ہیں،

جنگ سے واپسی کے بعد شہری زندگی سے ہم آہنگ ہونے میں دمتری نے وہی مشکلیں بیان کیں جو ویٹ نام کی جنگ سے واپس آنے والوں کو درپیش تھیں، اس نے بتایا کہ پہلے دو مہینے تو میں شراب کے نشے میں ڈوبا رہا، ابتدائی چند مہینوں کے دوران نیند مشکل سے آتی تھی، ہمارے دوسرے ساتھی بھی بھیانک خوابوں کی شکایت کرتے تھے، مجھے پولیس کے محکمہ میں ایک ایسے گروپ کام کرنے کی پیش کش ملی جو مسلح مجرموں کا مقابلہ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا لیکن میں نے یہ پیش کش ٹھکرا دی، کسی کو گولی مارنے کے لیے میں تیار نہ تھا۔

دمتری کا کہنا ہے کہ جنگ افغانستان سے واپس آنے والوں میں انصاف کا احساس بڑھ گیا ہے، نتیجے کے طور پر کچھ تو قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی خواہش کی تسکین کرتے ہیں اور میں خود کو الگ تھلگ محسوس کرتا ہوں اور ان گھٹیا لوگوں سے مجھے نفرت ہے جن کے ساتھ مجھے کام کرنا پڑا تھا خصوصاً ان لوگوں سے جن کی ماتحتی میں کام کرنا پڑا تھا جو میرے سیاسی وقوف کے فقدان پر نکتہ چینی کرتے تھے۔

دمتری نے کہا کہ مجھے سیاست سے بالکل دلچسپی نہیں ہے، سوویت لیڈر گورباچوف جو تبدیلیاں لا رہے ہیں ان کے بارے میں لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں لیکن میں تو وہ تبدیلیاں صرف اخباروں میں دیکھتا ہوں، سوویت اخباروں میں جنگ کے متعلق جو کچھ چھپتا ہے اس سے بھی دمتری کو کوئی دلچسپی نہیں ہے کیونکہ ان میں تو بس ہمارے نوجوانوں کے کارنامے ہوتے ہیں، ہاں، حال ہی میں ایک اخبار نویس ارتم بوروویک نے ہفتہ وار "اوگونیوک" میں سلسلہ وار سنجیدہ مضامین لکھے تھے، انہوں نے جنگ زدہ علاقہ میں کچھ وقت صرف کیا تھا اور انہیں بہادری کے لیے تمغہ بھی دیا گیا، میں نے ان کا ایک مضمون پڑھا جس میں صاف صاف رپورٹنگ کی گئی تھی۔

بقیہ مولانا عبد الحی اور ان کے علمی خدمات

اور بیسویں صدی کے وسط میں شعراء واد بار کے ہاتھوں پایہ تکمیل کو پہونچا گلشن ادب کے اس باد نسیم کے جھونکوں نے اس عہد کے ہر صاحب علم کو متاثر کیا جس کے نتیجہ میں علماء و صلحائے عظام اردو زبان و ادب کی بیش قیمت خدمت انجام دیں۔

مولانا نعیم احمد صدیقی صاحب ندوی اپنی کتاب مولانا سید سلیمان ندوی شخصیت و خدمات میں ان حضرات کے اسماء شمار کرتے ہوئے جنھوں نے پہلی جنگ عظیم کے بعد اردو زبان کو اسلامی علوم اور تاریخ مذہب کا سرمایہ دار بنایا نیز اردو ادب کو ایک نیا موڑ دیا رقم فرماتے ہیں:

حکیم عبد الحی بھی مشرقی انداز تنقید کے دبستان شبلی کے زیر اثر رہے ان کی تصنیف گل رعنا اردو شعراء کے تذکرے میں ایک اچھا اضافہ ہے ان کا طرز تحریر بہت متین و سلیس اور رواں و سادہ ہے اشعار کے حسن انتخاب سے ان کی سخن فہمی اور سخن شناسی کا اندازہ ہوتا ہے۔

(از سید سلیمان ندوی شخصیت و خدمات ص ۶۳)

اسی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے بابائے اردو مولوی عبد الحق صاحب نے رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۵ء کے شمارے میں تحریر فرمایا تھا:

جو لوگ مولانا مرحوم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے ممکن ہے کہ اس کا علم ہو ورنہ عام طور پر لوگ اس سے لاعلم تھے کہ مولانا مرحوم اردو زبان و ادب کا بھی ایسا اچھا ذوق رکھتے ہیں اور ایسا خیال کچھ بیجا بھی نہیں تھا کیوں کہ مولوی صاحبان نے عموماً اردو زبان کی طرف سے غفلت برتی ہے۔

اسی تبصرہ میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

ہر شاعر کے کلام سے نمونہ دیا گیا جس سے فاضل مؤلف کی وسعت نظر کا ثبوت ملتا ہے اگرچہ زبان و شعر کے کلام پر اعلیٰ تنقید کا حق ادا نہیں کیا گیا تاہم ہر شاعر کے کلام پر بہت ہی منصفانہ رائے کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی علمی اور بلند پایہ تحقیقی تصنیفات ہیں جو مولانا مرحوم کے عالمانہ اور محققانہ قلم سے وجود میں آئیں، لیکن اخیر میں اس کا اظہار کئے بغیر رہا نہیں جاتا کہ مولانا مرحوم کی علمی خدمات بلند پایہ تحقیقات و تصنیفات پر ہندوستان کی کم ذوقی اور ناقدر شناسی نے وہ کام نہیں کیا جس کے وہ مستحق تھے اگر وہ ہندوستان کے بجائے یورپ کے کسی خطہ میں پیدا ہوئے ہوتے تو آسمان شہرت پر آفتاب بن کر چمکتے مگر وہ اس خاک میں پیدا ہوئے جہاں کی کم ذوقی اور ناقدر شناسی نے ان جیسے بیسیوں اہل کمال کے رخ نمود پر گمنامی کے تیرہ و تار پردے ڈال دیے ہیں۔

دعا ہے پروردگار عالم قلم کے اس مسافر کو جس نے اپنی زندگی کا اکثر حصہ قوم و ملت کی خدمت میں گذارا اور حیات مستعار کے دن گزار کر ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ کو راہی ملک بقا ہو گیا مغفرت فرمائے اور ان کی قبر پر رحمت و نور کی بارش ہوتی رہے (آمین)

ابر رحمت ان کی مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے

●●

بقیہ عالم اسلام

خام لوہا سعودی عرب میں ۳۰۰ ملین ٹن میٹر ہے

جدید تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب میں خام لوہا ۳۰۰ ملین ٹن میٹر ہے اور اس کا استعمال ۱۹۹۰ء سے شروع ہو جائے گا۔

تحقیقات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ لوہا اور اسٹیل کو بنانے کے لیے درآمد شدہ خام لوہے پر بھروسہ کرنا پڑتا تھا سعودی اسٹیل اینڈ آئرن کمپنی پیداواری صلاحیت کے ۲ ملین ٹن میٹر تک بڑھانے کے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے جبکہ ان کمپنیوں نے ۱۹۸۳ء میں ۸۰ لاکھ ٹن میٹر کی پیداوار سے آغاز کیا تھا۔ سعودی آئرن کمپنی کی جدید کاری میں پائپ اور اسٹیل شیٹ کے ساتھ ساتھ ۵۰ ہزار میٹر سریا بنانا بھی شامل ہے۔

کل ہند تقدس حرمین کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ

کانفرنس قراردادیں منظور کرنے کے بعد ختم

ممتاز عالم دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے انسانی برادری سے اپیل کی ہے کہ وہ حرمین شریفین میں امن و امان برقرار رکھنے کی سمت میں اپنی آواز بلند کریں۔ انہوں نے کہا کہ حرم شریف میں امن وچین کے قیام پر ہی انسانیت کی بقا کا انحصار ہے۔

آج ۱۰ نومبر گنگا پرشاد ہال امین آباد لکھنؤ میں تقدس حج کانفرنس کے پہلے دن کے جلسے کی پہلی نشست کی صدارت کر رہے تھے۔ انہوں نے پہلے کعبۃ اللہ کی تاریخ پر قرآنی آیات کے حوالے سے روشنی ڈالی۔ فرمایا [illegible] کوئی بھی پڑھا لکھا شخص محض اس وجہ سے کسی ملک کی مخالفت نہیں کرے گا کہ وہاں کس فرقہ کی اکثریت ہے۔ [illegible] مولانا ندوی نے کہا کہ جب رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے غیر ممالک میں دورہ کرنے کے متعلق دریافت کیا تو میں نے سب سے پہلے افغانستان کا دورہ کرنے کو کہا [illegible] نے کہا کہ حج جیسے فریضے کی ادائیگی کے موقع پر کسی قسم کے سیاسی، غیر سیاسی اختلافات کو اٹھانا قابل مذمت عمل ہے۔ مولانا ندوی نے کہا کہ حج ایک خالص دینی فریضہ ہے، انسانیت کی فلاح و بہبود بھی اسی میں ہے کہ حرمین شریفین میں مکمل طور پر امن وچین رہے۔ دنیا کا ایک حصہ تو ایسا ہونا چاہیے جہاں خالص مذہبی اجتماع ہو۔

دوسرے دن کی نشست علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی ڈاکٹر محمد راشد ندوی کی زیر صدارت ہوئی۔ اس آخری اجلاس میں ام القریٰ یونیورسٹی مکہ معظمہ کے پروفیسر مولانا سید عبداللہ عباس ندوی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ معاملہ اس سے زیادہ ہے جو آنکھوں کو نظر آرہا ہے، اس لیے جو بات پس پردہ ہے اسے سمجھنا چاہیے انہوں نے کہا کہ اسلام کے اجتماعی تصور اور ہر عبادت کو اجتماعی طریقے سے ادا کیے جانے کو مخالفین اور اغیار بڑے خطرے کی بات تصور کرتے ہیں اور حج کا عالمی اجتماع تو اور بھی ان کو کھٹکتا ہے۔ حج کے لیے حکومت سعودی عرب نے جو سہولتیں فراہم کر دی ہیں اس کے نتیجے میں حج کا اجتماع اور بڑا ہونے لگا ہے چنانچہ مخالفین کو پریشانی ہے کہ کیا ہونے والا ہے اور اس لیے وہ حالات ایسے پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ اجتماع نہ ہو یا اس کی افادیت کم ہو جائے، وہ طاقتیں چاہتی ہیں کہ حج کو، اسلام کو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو ختم کرنے کے بارے میں سوچنا تو حماقت ہے لیکن خوف و دہشت پیدا کی جا سکتی ہے تاکہ تعداد کم ہو، اور وہاں کے لوگوں کے خلاف نفرت پیدا کی جائے، اس لیے جھوٹی خبریں بھی پھیلائی جاتی ہیں، انہوں نے ایک غلط فہمی کو بھی دور کیا جو مسجد بلال کو شہید کیے جانے کے بارے میں پیدا کی گئی تھی۔

آج کے اجلاس سے سعودی عرب کے ایک دانشور ڈاکٹر محمد علی [illegible] نے خصوصی طور پر [illegible] کی دعا پر اجلاس ختم ہوا [illegible] ایک [illegible] بھی پیش کیا۔

ندوہ کے استاد مولانا [illegible] ندوی نے سفرناموں کی روشنی میں حج کے حالات کا جائزہ لیا، اور بتایا کہ اب سے پچاس ساٹھ سال قبل وہاں کیا حال تھا کس طرح قافلے لوٹے جاتے تھے اور اب کیا صورت حال ہے، جب وہ سہولتیں مہیا ہیں اور تحفظ کا وہ انتظام ہے کہ جس کا جواب نہیں، انہوں نے کہا کہ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس حکومت کی ناشکری اور ناقدری کریں، جس نے اعلیٰ درجے کی سہولتیں فراہم کر رکھی ہیں۔

ندوہ کے استاد رابطہ ادب اسلامی کے آفس سکریٹری مولانا نور عظیم ندوی نے نظامت کے فرائض انجام دیئے۔

تجاویز

تقدس حرمین کمیٹی لکھنؤ کی مجلس عاملہ نے حسب ذیل حضرات پر مشتمل ایک مجلس تجاویز مقرر کی:-

۱۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری جامعہ سلفیہ بنارس (یوپی)

۲۔ ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی۔

۳۔ سید ضیاء الحسن ندوی جامعہ ملیہ اسلامیہ [illegible] دہلی

۴۔ مولانا عبداللطیف [illegible] علیم [illegible] دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۵۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی ندوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مجلس تجاویز کی نشست میں کافی بحث و مباحثہ اور غور و خوض کے بعد اور مندوبین و شرکاء تقدس حج کانفرنس سیمینار منعقدہ گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ ۱۰ر۱۱ر دسمبر [illegible] کی اجازت [illegible] منظور ہوئے حسب ذیل تجاویز بالاتفاق [illegible]:-

(۱) یہ کانفرنس اعلان کرتی ہے کہ حرمین شریفین کے امن و امان کو باقی رکھنا تمام [illegible] کی فرض ہے اور اس ضمن میں کوئی دخل اندازی برداشت نہیں کرنا چاہیے۔

(۲) ہم شرکاء کانفرنس [illegible] والے ایرانی [illegible] فساد کی شدید مذمت کرتے ہیں اور خادم حرمین شریفین کے ان تمام اقدامات کی حمایت کرتے ہیں جو مقدس مقامات بالخصوص مکہ مکرمہ کی حرمت و تقدس کو برقرار و محفوظ رکھنے کے لئے ان کی حکومت نے کیے ہیں۔

(۳) ہم خادم حرمین شریفین کی حکومت سے یہ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ حرم مکہ و مدینہ میں آئندہ ان تمام مظاہروں اور جلوسوں پر پابندی عائد کرے جن سے فتنہ و فساد کا [illegible] ہے، اور ان کے سدباب کے مشتمل اقدامات کرے۔

(۴) ہم تمام مسلمانان عالم سے بالعموم اور ممالک اسلامیہ کے باشندوں سے بالخصوص یہ درد مندانہ التجا کرتے ہیں کہ وہ دوران حج صرف دینی فرائض اور مناسک حج انجام دیں اور ایسے تمام کاموں سے اجتناب کریں جو تقدس حج کے منافی ہیں۔

(۵) یہ اجلاس مسلم اداروں، علماء کرام دانشوروں اور ذرائع ابلاغ عامہ سے درخواست کرتا ہے کہ وہ سیدھے سادے عوام بالخصوص حجاج کرام میں دینی بیداری اور تقدس حج و حرم کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے بھرپور اور مسلسل کوشش کریں کہ اس کے بغیر حج کا تقدس اور حرمین کی حرمت کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔

(۶) تقدس حج کانفرنس سیمینار کے شرکاء و مندوبین کا یہ احساس بھی ہے کہ عام حجاج کرام اور بالخصوص ہندوستانی عازمین حج کو بعض حقیقی اور واقعی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا ہم تمام حج کمیٹیوں، تنظیموں اور اداروں سے درخواست کرتے ہیں کہ ان کے مسائل کا جائزہ لے کر ان کا حل کے لیے خصوصی اقدامات کریں تاکہ [illegible] کا سدباب کیا جا سکے اور مخالفین اسلام اور دشمنان حرم کے [illegible] پروپیگنڈہ کا ازالہ کیا جا سکے۔

(۷) حرمین شریفین کے موجودہ نظم و نسق بدلنے اور اسے کسی بین الاقوامی تنظیم یا ادارے کے سپرد کرنے کی تجویز کو ہم ناقابل عمل تصور کرتے ہیں اور اسے ایک [illegible] سازش سمجھتے ہیں اور اس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

(۸) ہم کانفرنس کے شرکاء و مندوبین ٹائمز آف انڈیا لکھنؤ [illegible] دسمبر کے اخبار میں حضرت مولانا علی میاں کے بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا۔ لہٰذا اس کی شدید مذمت کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ مذکورہ اخبار نمایاں طور پر معذرت شائع [illegible]

(۹) مسلمانوں [illegible] اور اتفاق کو تقویت دیں اور انتشار و اختلاف دور کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

(۱۰) یہ تجویز متفقہ طور پر منظور کی جاتی ہے کہ تقدس حج کانفرنس کے مقاصد کے حصول اور ان کی مستقل حفاظت کے لیے ایک کل ہند تنظیم تقدس حرمین کمیٹی کے نام سے تشکیل کی جائے [illegible] مستقل مرکز لکھنؤ میں ہو اور ڈاکٹر یونس [illegible] اس کے جنرل سکریٹری ہوں، پروفیسر [illegible] رضوان علوی اس کے [illegible] اور مولانا علی میاں اس کے سرپرست اعلیٰ اس کے اراکین ہندوستان کے مختلف اداروں اور بستیوں کے نمائندے ہوں تاکہ ان کے مفید مشوروں سے حصول مقاصد میں آسانی ہو۔ منتخب اراکین کے اسمائے گرامی

(۱) پروفیسر نثار احمد فاروقی، دہلی یونیورسٹی (۲) احتشام الدین کالی کٹ یونیورسٹی کیرالا [illegible]، محمد ابراہیم ندوی، ڈاکٹر راشد ندوی، محمد یٰسین مظہر، سید ضیاء الحسن ندوی، ڈاکٹر محسن عثمانی، محمد حسان خان ازہری، مقتدیٰ حسن ازہری، عبدالنور ندوی، ندر الحفیظ ازہری، محمد لقمان خان ازہری، مجیب اللہ ندوی، مولانا سید اللہ کوٹی ندوی۔

مطالعہ کی میز پر

آؤ اپنا ایمان درست کرلیں

مولف: ظہور احمد قریشی
ناشر: ادارہ کتاب والسنۃ ۵۸-۱۴ اکبارڈی پورہ، اورنگ آباد۔ صفحات: ۸۹۔ طباعت: معیاری۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶۔ قیمت درج نہیں۔

زیر نظر کتاب توحید، ارکان اسلام کی تعریف اور شرک و بدعت کی مذمت میں ہے اس میں بتلایا گیا ہے کہ اصل اسلام کیا ہے، اور اسلام کو کن طاقتوں سے خطرہ ہے اور انھوں نے اسلام کے خلاف کتنی گہری سازشیں کر رکھی ہیں اور اسلام کو نقصان پہونچانے میں عیسائیوں، یہودیوں اور شیعوں کا کیا کردار رہا ہے۔ نیز اہل بدعت کا مقابلہ علماء حق نے کس طرح کیا ہے۔

کتاب مختصر ہے مگر جامع اور مفید ہے اندرون ملک ایک روپیہ کا ٹکٹ بھیج کر مفت حاصل کی جا سکتی ہے۔

اسلام اور عصری مسلمان ایک تقابلی جائزہ

مولف: مولانا قاری عبدالکریم مفتاحی
ناشر: خلیل بکڈپو جامع مسجد انعام دار پورہ اکولہ۔ صفحات: ۷۲۔ قیمت: ۷/- روپے ساز ۲۲×۱۸/۸۔

زیر نظر کتابچہ عقائد اسلام، توحید اسلاف اور عقیدہ توحید رسالت، عبادات نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور معاشرت و معاملات اور اخلاق پر مشتمل ہے مذکورہ باتوں کو سیدھے سادھے انداز میں اس طور پر بتایا گیا ہے کہ عام فہم آدمی کو بھی اس کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو، اور اس کتاب کو مرتب کرنے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے اس سے اس کتاب کا مستند اور مفید ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان میں تقویۃ الایمان، ارکان اربعہ، معارف الحدیث، فضائل صدقات فضائل رمضان اور آداب المعاشرت قابل ذکر ہیں۔

مضامین القرآن سورۂ فاتحہ کی روشنی میں

تالیف: جناب سید جعفر فرید سلفی
ناشر: سلفی اکیڈمی، لہریا سرائے، دربھنگہ - بہار۔
صفحات: ۱۳۲۔ قیمت درج نہیں تقطیع ۲۲×۱۸/۱۶ طباعت متوسط۔

زیر نظر کتاب کے مطالعہ سے حسب ذیل خصوصیات کی نشاندہی ہوتی ہے، سورۂ فاتحہ کا ام القرآن ہونا اور قرآن فہمی کے لیے اس کی اہمیت اور ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔ سورۂ فاتحہ کا پورے قرآن حکیم سے اجمال و تفصیل کا تعلق ظاہر ہو جاتا ہے یکساں مضامین قرآن کے یکجا ہو جانے کی وجہ سے القرآن یفسر بعضہ بعضاً کی حقیقت سامنے آجاتی ہے زیر نظر کتاب میں سورۂ فاتحہ کے معانی و مطالب کے لحاظ سے چار ابواب اور اس کی سات آیات میں سے ہر ایک آیت کریمہ سے اسلامی عقائد اور ان سات فصلوں کے تحت ان کی مناسبت سے قرآن حکیم کے مضامین اور متعلقہ آیات کے حوالے سے قرآن حکیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت ہو جاتی ہے۔ ہدایت یافتہ اور منعم علیہم بندوں کی صحیح سیدھی راہ کی رہنمائی اور ضالین و مغضوب علیہم انسانوں کی غلط، ٹیڑھی اور پیچ پیچ راہوں کی جانکاری سے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی راہ معلوم ہو جاتی ہے۔

کاش مولف نے سورہ اور آیت نمبر کے ساتھ اصل آیت اور مزید افادیت کے لیے اس کا اردو ترجمہ دیدیا ہوتا تو اس سے خاص و عام دونوں مستفید ہوتے، بہرحال مولف کی کوشش قابل قدر و ستائش ہے۔

تالیف: مولانا وحید الزماں کیرانوی
ناشر: دارالمؤلفین، دیوبند
صفحات: ۵۲۷، قیمت: ۲۵ روپے، تقطیع خورد۔ طباعت: معیاری

مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی کی اس سے قبل القاموس الجدید اردو عربی اور عربی اردو اور اس کا ضمیمہ اہل علم میں مقبول ہو چکا ہے اور اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔ زیر نظر قاموس اپنے انداز کی منفرد ڈکشنری ہے اس میں ڈکشنری کے نہج سے ہٹ کر صرف ان اصطلاحات کا ترجمہ دیا گیا ہے جو مختلف انداز سے استعمال ہوتی ہیں۔ مولانا نے حتی الامکان جاری اور ساری اصطلاحات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے اور بہت حد تک وہ اس میں کامیاب ہیں اس لحاظ سے یہ مجموعہ اصطلاحات اپنی ندرت رکھتا ہے چونکہ یہ مجموعہ اپنے موضوع کے لحاظ سے نقش اول ہے اس لیے اس میں بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں جس پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔

اس مجموعہ اصطلاحات میں عربی اصطلاحات کے ترجمے کے ساتھ ساتھ اردو اصطلاحات کا اہتمام کیا گیا ہوتا تو یہ مجموعہ قابل قدر ہوتا مگر ایسا نہیں ہوا ہے اور جگہ جگہ اصلاح اور ترجمہ زیر نظر ہے۔ نمونہ کے لیے چند اصطلاحات اور اس کے معنی ملاحظہ ہوں۔

آلۃ ترقیم : اسٹامپنگ مشین
آلۃ تسجیل النقود : کیش رجسٹر
آلۃ حاسبۃ : کمپوٹر
آلۃ طباعۃ : روسٹری مشین ڈپلی کیٹ کاپیاں بنانے کی مشین۔
آلۃ ناسخۃ : کاپی بنانے کی مشین
اباحیؒ : انتہاپسند اشتراکی۔
اباحیۃ : اشتراکیت
اباحیۃ بالشوازم : کمیونزم کی وہ قسم جس کے اصول انتہاپسندی پر مبنی ہوں۔
الابخرۃ : گیس
ابحر المحیط : بحر الکاہل۔

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

سوال:- کیا کوئی کافر قرآن مجید کو بغیر طہارت کے چھو سکتا ہے؟

جواب:- قرآن مجید کو صرف پاک لوگ چھوئیں (لایمسہ الا المطہرون)
اس حکم کے مکلف صرف کلمہ گو ہیں غیر مسلم نہیں۔ لہٰذا کافر قرآن مجید کو بغیر طہارت کے چھو سکتے ہیں۔ البتہ اگر مسلمان انھیں پڑھانے یا غور و فکر کیلئے دیتا ہے تو ان سے کہدے کہ یہ پاک کتاب ہے وہ اسکو ہاتھ دھو کر چھوئیں

سوال:- کیا بالغ اور نابالغ دونوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:- ہاں بالغ اور نابالغ دونوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ نابالغ بچے کا باپ مالدار نہ ہو۔

سوال:- کیا اگر لڑکی یا لڑکا شادی کے لائق ہو تو جب تک اسکی شادی نہ ہو جائے والدین پر حج فرض نہیں ہوتا کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- جب حج فرض ہوگیا تو حج کیلئے جانا ضروری ہے، لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اولاد کی شادی کرائے بغیر حج فرض نہیں ہوتا اور حج کیلئے نہیں جاسکتا یہ سمجھنا درست نہیں ہے۔

سوال:- نفل حج دوسرے سے بلا عذر کراسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- نفلی حج کیلئے عذر شرط نہیں ہے

بقیہ صفحہ [illegible] پر

سوال:- سرکاری ملازمین کو ملازمت ختم ہونے کے بعد پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو رقم ملتی ہے کیا اس پر زکوۃ فرض ہے اگر جواب ہاں میں ہے تو کب اور کتنی مدت پہلے سے؟

جواب:- پراویڈنٹ فنڈ ملنے کے بعد جب پورا سال گذر جائے گا تب زکوۃ فرض ہوگی فنڈ ملنے سے پہلے زکوۃ فرض نہیں ہے۔

سوال:- اگر پراویڈنٹ فنڈ ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو اور اس درمیان وہ بیمار پڑ جائے اور بیماری پر ہزاروں روپئے خرچ ہو جائیں اور قرضدار ہو جائے تو کیا اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:- ہاں صورت مسؤلہ میں چونکہ رقم اسکی ملکیت میں نہیں ہوتی ہے اس لئے اسکو زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

سوال:- اگر مسکین کو زکوۃ دینا ہو تو اسکی معلومات کرنے کا شریعت نے کیا طریقہ بتایا ہے

جواب:- حتی الامکان مستحق زکوۃ کے سلسلہ میں تحقیق ضروری ہے اس کا متعین طریقہ نہیں ہے اپنی استطاعت بھر معلومات حاصل کرے

سوال:- دنیوی تعلیم حاصل کرنے والے طالب علم کو زکوۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:- ہاں اگر دنیوی تعلیم حاصل کرنے والا صاحب نصاب نہیں ہے تو اسکو زکوۃ دی جاسکتی ہے۔

ندوہ کے شب و روز

شیرافگن

ششماہی امتحان

ربیع الاول کے شروع میں ششماہی امتحان ہوا، درسیات کے مذاکرہ اور امتحان کی تیاری میں ہر ایک محو نظر آتا تھا، امتحان کے بعد ایک ہفتہ کی تعطیل پر قرب و جوار کے طلبہ نے اپنے اپنے گھروں کا رخ کیا، چھٹی کی مدت ختم ہوتے ہی پھر وہی چہل پہل شروع ہو گئی، طلبہ کے شب و روز حسب سابق معمول کے مطابق گذرنے لگے، طلبہ کی انجمن الاصلاح کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ وقتاً فوقتاً ملک کے موقر داعیوں، ادباء، مورخین و ماہرین کو دعوت دی جاتی ہے اور ان کے پروگرام رکھے جاتے ہیں جن سے طلبہ استفادہ کرتے ہیں چنانچہ انہیں دنوں دارالعلوم میں دارالمصنفین کی مجلس شوریٰ منعقد ہونے والی تھی جس کے لیے محترم صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب مرحوم یہیں تشریف رکھتے تھے، ناظم الاصلاح نے ان سے بھی گذارش کی کہ اپنے کسی پسندیدہ موضوع پر اظہار خیال فرمائیں، مرحوم نے حسب توقع خوشی خوشی قبول فرما لیا موضوع کی تعیین بھی ہو گئی، آپ نے فرمایا کہ آج کل مسلم حکمرانوں کے متعلق طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلانے کا کام بڑی تیزی سے چل رہا ہے، اس لیے انہیں کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جائیں گی اور چونکہ ان بادشاہوں میں شرابی، منحرف العقیدہ اور مخالفین شریعت بھی گذرے ہیں اس لیے کیا مجموعی طور پر اس دور کو اسلامی دور حکومت کہنا درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ لوگ سوالات کریں گے تو میں انشاء اللہ جواب دوں گا لیکن کسے معلوم تھا کہ آپ کے سفر آخرت کی گھڑیاں پوری ہو چکی ہیں، چنانچہ جس وقت پروگرام کا اعلان لکھا جا رہا تھا کسی نے ایک دلدوز فقرے سے سب کی آنکھیں اشکبار کر دیں۔

مولانا سلیمان صاحب ندوی کا طلبہ سے خطاب

ادھر چند سالوں سے کھیل کود کو غلط مقاصد میں استعمال کرنے کی جو سازش چل رہی ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اور اب تو یہ مرض کا ندھی کی شکل میں گھر والے کے اندر، سرکاری دفاتر اور علم و حکمت کے مراکز میں بھی داخل ہو گیا ہے چنانچہ طلبہ کو اس سلسلہ میں بیدار کرنے کے لیے جمعیۃ الاصلاح کے جالیہ ہال میں مولانا سلمان صاحب ندوی کا ایک پروگرام رکھا گیا جس میں موصوف نے بڑے ہی مدلل انداز میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی تاریخ بیان کی، پھر اس حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت یہ یہودیوں کی ایک سازش ہے جو اپنے ناپاک عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لیے اس طرح کے جال بچھاتے رہتے ہیں، تاکہ قوموں کی قوت عمل سلب ہو جائے جس سے انہیں اپنا مقصد بروئے کار لانے میں مدد ملے۔

ادبی سیمینار

ندوہ نے ادب اسلامی کی قیادت کا جو بیڑا اٹھایا ہے اسے کامیابی سے ہم کنار کرنے کے لیے برابر سرگرم عمل ہے چنانچہ انہیں دنوں لائبریری ہال میں اس سلسلہ میں ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا جس میں مختلف یونیورسٹیوں اور مدارس کے اساتذہ، ادباء، وائس چانسلر اور پروفیسران نے شرکت کی اور بیش قیمت مقالے پیش کیے، تفصیلات ۲۵ نومبر کے شمارہ میں آپ کی نظر سے گذر چکی ہیں۔

تبلیغی تقریر

انہیں دنوں مولانا احمد صاحب لاٹ کی دارالعلوم میں تشریف آوری ہوئی، موقع غنیمت جان کر بیان کے لیے وقت لے لیا گیا، مغرب بعد دارالعلوم کی مسجد میں موصوف نے دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور وارثان نبوت کی ذمہ داریوں کو اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا چونکہ مولانا ندوہ کے فارغ ہیں، اس لیے طلبہ کے مقام و مشاغل کی رعایت کے ساتھ خطاب نہایت ہی اپنائیت و بے تکلفی کے انداز میں تقریر کی۔

انعامی مقابلے

ادھر الاصلاح کے ششماہی انعامی مقابلوں کا سلسلہ بھی شروع ہوا، جس کی ابتداء بیت بازی کے مقابلہ سے ہوئی، صدارت مولانا محمود الازہار صاحب ندوی نے فرمائی، شرکاء کو چار جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ہر جماعت کا ایک قائد تھا بڑی تیاری کے ساتھ چاروں جماعتیں عشاء بعد جمالیہ ہال پہنچیں اور دو دو جماعتیں کے بعد دیگرے مقابلہ میں آئیں، طلبہ کی ہر ٹیم کے شرکاء نے اچھا مظاہرہ کیا۔

اسی طرح بزم خطابت کا مقابلہ ڈاکٹر طفیل احمد مدنی کی صدارت میں ہوا یہ مقابلہ بھی دو گروپوں میں تھا گروپ "الف" کے قائد شفیق عالم نے مقابلہ جیت کر کپ حاصل کیا جب کہ دوسرے گروپ کے قائد محفوظ الرحمٰن کو شیلڈ دی گئی، اس کے علاوہ ہر گروپ کے نمایاں ۳ مقررین کو انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔

گروپ "الف"

محمد سہراب	اول
طارق شفیق	دوم
محمد شمشاد	سوم

گروپ "ب"

قرآن احمد	اول
بلال احمد	دوم
محمد مسلم	سوم

بزم سلیمانی کا مقابلہ علیا اور سفلی کی تقسیم پر ہوا، طبقہ علیا کا عنوان تھا۔ "محمود غزنوی ناقدین و مداحوں کی نظر میں" اور سفلی کا عنوان تھا "خواجہ معین الدین چشتی کے اثرات ہندوستانی سماج پر" دونوں ہی موضوعات پر تحقیقی مقالات پیش کیے گئے، طبقہ سفلی کا مقابلہ عشاء بعد جمالیہ ہال میں مولانا غفران صاحب ندوی کی صدارت میں ہوا اور طبقہ علیا کی صدارت مولانا شمس الحق صاحب ندوی نے فرمائی، انعام حاصل کرنے والے مقالہ نگاروں کے نام اس طرح ہیں۔

طبقہ علیا

قرآن احمد	اول
آفتاب عالم	دوم
محمد سہراب	سوم

طبقہ سفلی

طارق شفیق	اول
احتشام الحق	دوم
ذوالفقار احمد	سوم

مقابلوں کا سلسلہ ختم ہونے کے دو روز بعد استاد محترم مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی کی صدارت میں تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا، مولانا محترم نے حسب درخواست عربی میں خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مزاج ہوتا ہے، اسلام کا بھی ایک مزاج ہے اس نے کبھی بھی شرک و بت پرستی کے ساتھ رواداری نہیں برتی، کیونکہ اسلام اور شرک ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے ہمیں اسلام کے اس مزاج کو سمجھنا چاہیے اور علمی میدان میں برتنا چاہیے، اخیر میں صدر محترم کے مبارک ہاتھوں سے انعامات تقسیم ہوئے، اس سے قبل رواق سلیمانی کی انجمن میں بیت بازی کا مقابلہ ہوا جس میں طلبہ نے اچھے اور منتخب اشعار پیش کیے، گھٹیا اور سوقیانہ اشعار سے اجتناب برتا گیا۔

بقیہ

ہے اگر مجھکو خطر کوئی ....

ترجمہ: نفتہ

پرور تو خود یہی ہیں لیکن ان کو علم و شعور نہیں ہے

اسلام کی راہ میں یہ رکاوٹ کھڑی کر کے یہ حضرات سامراجی نظام کی بقا کے آلۂ کار بنجاتے ہیں، اور اسکو مسلمانوں کی دولت سے نفع اندوزی اور نوجوانان اسلام و مسلم مفکرین کی قوتوں کے پرخچے اڑانے کے مواقع فراہم کرتے ہیں اور ملک کے سرمایہ کو ایسے پروگراموں میں برباد کرتے ہیں جو اخلاقی فساد، مادیت اور خود غرضی کی ذہنیت پیدا کرتے ہیں یا پھر یہ کہا جائے کہ یہ حضرات یورپ کے عہد سامراجیت کے پروپیگنڈوں سے اتنا متاثر ہیں کہ ابھی تک ان کو سامراجی ذہنیت سے آزاد ہونے کی توفیق نہیں مل سکی ہے۔

مذہب ایک بشری ضرورت ہے اور کوئی بھی انسان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا مذہب ہی انسان کے لئے فوز و فلاح اور روحانی سکون کا سرچشمہ ہے اور اس روحانی سعادت سے محروم کوئی بھی معاشرہ حقیقی سعادت حاصل نہیں کر سکتا۔ مذہب ہی انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے اور مادی استحصال کو ختم کرتا ہے اور معصیت سے بچنے کا شعور پیدا کرتا ہے۔ مذہب کے ذریعہ جو ذہنی انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے وہ سیاسی اور سماجی تحریکات سے زیادہ پائیدار اور وسیع ہوتا ہے اسی وجہ سے اب مختلف ملکوں میں مذہب کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔ ہندوستان، اس کے پڑوسی ممالک، یورپ اور افریقہ میں مذہب و حکومت کے اشتراک و تعاون کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے البتہ اس اشتراک سے محروم مسلم ممالک ہیں جہاں حاکم طبقہ اس بیداری کے خلاف نبرد آزما ہے لیکن یہ ایک لاحاصل و بے سود کوشش ہے جو حقیقت ناشناسی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے۔

مولانا عبدالحئی اور ان کی علمی خدمات

از: سرور عالم

ابتدائے آفرینش سے اب تک علم کتنی ایسی موقر شخصیتیں منصۂ شہود پر نمودار ہوئیں جن کے اشہب قلم کی جولانی، زبان کی روانی اور تحقیق و جستجو کی فراوانی نے اس دنیائے رنگا رنگ میں علم و تحقیق کے جوئے شیر کے فرہاد کے لیے علوم و معارف کا ایسا قیمتی اور بے بہا سرمایہ چھوڑا جس سے کاروان علم و تحقیق کا ہر مسافر اپنے من کی دنیا سجا سکتا اور سیری و آسودگی حاصل کر سکتا ہے۔ علامہ عبدالحئی حسنیؒ بھی انہیں تابندہ نقوش کے ایک گوہر آبدار ہیں جن کے دفور علم اور قلم گہر بار نے صفحۂ قرطاس پر علم و تحقیق کے وہ دریا بہائے جس سے کوئی بھی تشنگان علم و فن اپنی پیاس بجھائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

یہ صاحب علم و بصیرت متبع دین و شریعت جس نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت اور اس کی نشر و اشاعت میں گزاری ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۶۹ء کو رائے بریلی کے اس قصبہ میں پیدا ہوئے جو مدتوں سے علماء کا مرکز اور صلحاء کا مخزن رہا ہے جس کے متعلق صوفی عبدالرب نے کہا تھا کہ

بزرگوں کا یہ تکیہ ہے یہاں رحمت برستی ہے
یہاں اولاد اہل بیت ایک مدت سے بستی ہے
ہر اک جبیں منور ہے ہر اک خطہ ہے نورانی
اگر چاہو کرو حاصل یہاں سے فیض روحانی

ابتدائی تعلیم گھر کے علمی و دینی حلقہ میں حاصل کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے الٰہ آباد، بھوپال، پھلواری اور لکھنؤ کے اسفار کئے اور ہر کان علم و فضل سے اکتساب فیض کیا آنکھ کھولتے ہی ایک صاف ستھرا اور دینی ماحول پایا اخلاق و اخلاص ورثہ میں ملا ہر سمت سلوک و تصوف کا اعلیٰ مذاق تھا، مولانا کو بھی ابتداہی سے مشائخ کبار سے استفادہ کا شوق اور اپنی اصلاح و تربیت کا خیال تھا، اسی جذبۂ اشتیاق نے وقت کے شیخ کامل حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مرادآبادی سے شرف بیعت پر ابھارا اور، ۲ رجادی الآخر ۱۳۰۶ھ کو شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔

۱۸۹۴ء میں تکمیل علم سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۱۵ء میں ندوۃ العلماء کے مددگار ناظم منتخب ہوئے، اس وقت سے لے کر تادم آخر اسی سے وابستہ رہے اور اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، مولانا مرحوم نے ندوۃ العلماء کو شہرت و بلندی کے بام عروج تک پہونچانے میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے اس سے کوئی بھی حقیقت بیں انکار نہیں کر سکتا، افتراق و انتشار کے زمانے میں بھی جبکہ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ ندوۃ العلماء کی ساری عمارتیں یکسر منہدم ہو کر رہ جائیں گی اور وہ مبارک و اعلیٰ مقاصد جس کا خواب ۱۸۹۲ء میں علماء کی مقدس جماعت نے دیکھا تھا شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا مولانا مرحوم ان ناگفتہ بہ حالات میں پوری لگن اور شوق کے ساتھ ندوۃ العلماء کی ساری باگ ڈور سنبھالے رہے اور اپنی ان تھک کوششوں اور شب و روز کی محنتوں سے اس تحریک کو آگے ہی بڑھاتے رہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ندوۃ العلماء پر مولانا کے احسانات اور خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ

مولانا شبلی نعمانی کے بعد مولانا عبدالحئی دوسرے بزرگ ہیں جنھوں نے ندوۃ العلماء کی خدمت گذاری میں قابل تحسین ایثار نفس سے کام لیا اور جو کارنامے اس وقت تک ندوہ کی تاریخ میں ایک مثال رہے ہیں ایک ایسے زمانے میں جبکہ فرض اور ضمیر کے معانی سے قوم کی قوم بیگانہ رہ کر وطن پرستی ہے اور قومی ترقی کے عام شور و غوغا میں ایک آواز بھی خلوص اور ایثار کی سنائی نہیں دیتی ایک ایسے شخص کی تعریف کیوں نہ کی جائے جس نے ابتداء سے ندوہ کا ساتھ دیا اور اسی وقت جبکہ غایت درجہ کی کس مپرسی اور بے کسی کے عالم میں ندوہ چھوڑ دیا گیا تھا اور اسے اغراض شخصیہ کے لئے مفید بنا کر تمام مدعیان کار ایک ایک کر کے الگ ہو رہے تھے وہ اس کی خدمت میں برابر سرگرم رہا اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ باوجود مالی بے اطمینانی اور ضروریات معاش کے جو قلیل رقم ندوہ پیش کرنا چاہتا تھا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ان کا وجود بے غرضی اور ایثار کا کتنا موثر نمونہ ہے۔

(از الندوہ اپریل ۱۹۱۲ء)

ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود علم و تحقیق کا جو نایاب و کمیاب عظیم ورثہ اپنے پیچھے چھوڑا وہ ان کی غیر معمولی صلاحیت و لیاقت کا بین ثبوت ہے۔ یورپ و ایشیا میں کافی افراد کی زندگی کی تمام راحتوں اور سہولتوں کے ساتھ بعض اوقات اتنا علمی و تصنیفی کام نہیں کر پاتے جو مولانا مرحوم نے تنہا انجام دیا۔ آپ نے عربی اور اردو دونوں میں وہ نایاب تحفہ اس امت مسلمہ کو دیئے ہیں جس سے تاریخ علم و فن کا کوئی فرد بے اعتنائی نہیں برت سکتا ہے۔ یوں تو تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے مگر ان میں سے صرف چند اہم کتابوں کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

نزہۃ الخواطر

نزہۃ الخواطر مولانا کی وہ شہرۂ آفاق تصنیف ہے جو آٹھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جس میں آٹھ سو سے زائد صاحب علم و فضل، امراء و اولیاء، شہنشاہ و سلاطین کے جامع اور وسیع تذکرے اس دیدہ وری سے بیان کئے گئے ہیں کہ اس سے مصنف کی بے پناہ کوشش و کاوش اور علم و تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے اور اس طرح تین ہزار صفحات پر مشتمل یہ علمی ذخیرہ ایک چھوٹا سا انسائیکلو پیڈیا بن گیا ہے جس کا تذکرہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۳۶ء کے مجلہ معارف میں اس طرح کیا کہ

اسلامی ہندوستان کے پورے ہزار سالہ عہد میں شعراء اور مشائخ و سلاطین کے سیکڑوں تذکرے اور تاریخیں لکھی گئیں لیکن آزاد بلگرامی کی تصنیفات کو چھوڑ کر کوئی مختصر رسالہ بھی مستقل یہاں کے علماء و فضلاء کے حالات میں نہیں لکھا گیا۔ مولانا سید عبدالحئی مرحوم نے اس نقص کو محسوس کیا اور پورے بیس برس اس کام پر انھوں نے صرف کئے۔ اس عرصہ میں ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک کوئی کتب خانہ نہیں چھوڑا جہاں ان کو ذوق طلب کھینچ کر نہ لے گیا ہو اور بالآخر آٹھ جلدوں میں علماء ہند کی پوری سوانح عمریاں جمع کیں اس کا مقدمہ لکھا جس میں ہندوستان کے اسلامی علوم و فنون کی تاریخ مرتب کی۔

اس سلسلہ کی دوسری اہم تصنیف الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ہے۔

عربی زبان میں ہندوستان کی اسلامی تاریخ، سلاطین اسلام، یہاں کے اسلامی تمدن، مساجد، مدارس، عمارات، شفاخانے اور دیگر خصوصیات پر ایسی محققانہ تصنیف ہے جس کے متعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا کہ

درحقیقت اس کام کے لئے وہی قلم موزوں تھا جو علمائے ہند کا تذکرہ لکھنے میں ربع صدی سے مشغول و منہمک تھا، واقعہ یہ ہے کہ اگر کتاب لکھنے سے رہ جاتی تو ہندوستانی مسلمانوں کے علمی احسانات کی تاریخ ضائع ہو جاتی۔

(از حیات عبدالحئی ص ۲۹۵)

اسی طرح مولانا کی تاریخ گجرات فن تاریخ میں ایک ایسا بیش بہا اضافہ ہے جو درحقیقت ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو کوزے میں بند کر دینے کے مترادف ہے جس میں سیکڑوں سال کی علمی ثقافتی اور تمدنی تاریخ کو سمیٹ کر اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ یہ ایک مختصر سا رسالہ فن تاریخ کا حسین گلدستہ بن گیا ہے جو مولانا کی تحقیق اور تلاش و جستجو و نور علم اور کمال تحریر کا عکاس ہے غرض اس جیسی اور متعدد ایسی کتابیں ہیں جس میں مولانا کی علمی اور تحقیقی شخصیت کوہ نور کی طرح جھلملا رہی ہے جن میں سے ہر ایک کا تذکرہ ناگزیر ہے لیکن مولانا مرحوم کے تذکرے اور علمی خدمات میں اگر گل رعنا کا تذکرہ نہ کیا جائے تو حقیقت یہ ہے کہ تذکرہ ناتمام اور ناقص رہ جائے گا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں جبکہ شعر و ادب صرف درباروں اور خانقاہوں میں محدود ہو کر رہ گیا تھا علی گڑھ تحریک اپنی ان تھک کوششوں سے مقبول عام بنانے میں ہمہ تن مشغول و منہمک رہی آخر کار اس کی کوششیں برگ و بار لائیں

بقیہ صفحہ ۱۰ پر